آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ — بابتہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء — نمبر ۱۰

فہرست مضامین

کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں؟ ۳۲۹
مصلح کا پہلا فرض کیا ہونا چاہئے ۳۴۸
ریویو ۳۵۳
الف - یوگی اور اسکا پیغام - ۳۵۳
ب - اعجاز القرآن - ۳۵۷

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا - چندہ سالانہ ۲ روپیہ پرچہ ۴ر

”حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد پر فدا ہو جانے والی پُرجوش روحون کی احتیاج“

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کرکے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اِس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کرکے پرزور تاکیدی الفاظ مین ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت مین دس ہزار سے کم نہین ہونی چاہئیے۔

چنانچہ اُس تاکیدی ارشاد مین حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ۔

”اگر بیعت کرنے والے **اپنی بیعت کی حقیقت** پر قایم رہکر اِس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے“

اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھکر تاکیدی الفاظ مین فرمایا کہ۔

”مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردون کو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اِس رسالہ کی اعانت و مالی امداد مین جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادین اور اس خدمت مین **جان توڑ کوشش کرین**“۔

حضرت اقدسؑ کے اس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل مین ابتدائی تازہ جوش مین اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے کہ قلیل عرصہ مین تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے لیکن خاص زمانہ سے خاص وقت کے لئے اِن جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑ جانا ظاہر کرتا ہے کہ اِس حکم کو مختص یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کے لئے ہمیشہ کیلئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی! اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت مین کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہین کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب و شایان تھا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہنچنے مین ابھی بہت کمی ہے اسواسطے جملہ برادران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اگر اپنی ہماری جماعت احمدیہ مین سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تو تعداد خریداری کہین دس ہزار سے بھی بڑھجاتی ہے۔ امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدسؑ کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے من تن دھن غرضکہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ رکھینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالٰے تمام سعادتمند روحونکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجاآوری کیلئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور مامور و مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں؟

گزشتہ مہینے کے اخبار آبزرور کے چند متواتر نمبروں میں مسٹر دلاور حسین احمد سابق انسپکٹر جنرل محکمہ رجسٹریشن بنگال کے قلم سے نکلا ہوا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں راقم مضمون نے اسلام جیسے پاک اور اعلےٰ اصول رکھنے والے مذہب کو ایسے خطرناک اور سخت عیوب کا متہم کیا ہے جو آجتک کسی تنقید کرنے والے کے قلم و زبان سے نہیں نکلے۔ راقم مضمون یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کو ازسرنو ترتیب دی جاوے اور مدنی سورتوں کو ناقابل عمل سمجھ کر خارج کر دیا جائے۔ اس طریق اصلاح کو پیش کرنے کی غرض وہ بظاہر یہی بیان کرتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے مسلمانوں میں سے وہ نقص اور قباحتیں دور ہو جائیں گے۔ جو کثرت ازدواجی اور طلاق اور پردہ اور قوانین وراثت وغیرہ کیوجہ سے انمیں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن دراصل ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان نشتوں کی آڑ میں وہ اور ہی شکار کھیلا چاہتے ہیں۔ ان کے طرز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکی مجوزہ اصلاحوں کا واقعی نشانہ یہی چند مسائل اور امور نہیں انکی دلی تمنا جو گوشہ دل میں چھپی ہوئی اپنا مطلب نکالنا چاہتی ہے۔ انکے طرز سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ کاش پاک اسلام کی شریعت ہی دنیا سے مٹ جائے۔ اور خصوصاً نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کے فرائض کا بوجھ دین اسلام سے دور کر دیا جائے۔ اور کھانے اور پینے اور دوسرے امور کیلئے جو حرمت کی روکاوٹیں قرآن کریم نے لگائی ہوئی ہیں۔ انکو اٹھا دیا جاوے۔ کیونکہ اس قسم کے احکام اکثر مدنی سورتوں میں ہی بھرے ہوئے ہیں۔ اور مدنی سورتوں کو خارج کرنیکی تجویز پیش کرنے سے مراد اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر انکی منشاء صرف انہیں چند امور کے اصلاح تک ہی محدود ہوتی۔ تو وہ اس راہ کو کبھی اختیار نہ کرتے۔ اور نہ ہی یہ وہ راہ تھی جس سے وہ اس مقصود کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو تمام مدنی سورتوں کو جو اسلامی شریعت کی روح رواں ہیں۔ اور جنمیں کثیر حصہ تمدنی مضامین کا بھرا ہوا ہے۔ انہیں کو جڑ سے کاٹنے کی تجویزیں پیش کیجاتی ہیں جس سے مسلمانوں کے کندھوں سے شریعت کا جوا ہی اتار دینا مقصود ہے۔ بنگال بھی ایک عجیب ملک ہے۔ جہاں کوئی نہ کوئی اسلام کا ایسا خیرخواہ پیدا ہوتا رہتا ہے جو اسلام کے سرسبز گلستان کے پیڑوں کو کسی نہ کسی رنگ میں اکھاڑنے کی صلاحیں دیتے رہتے ہیں۔ مگر وہ ہے۔ جو اپنے دشمن ...

اِنّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن کے مطابق دین اسلام کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور اُن لوگوں کو اپنی ایسی کوششوں میں نامراد ہی رکھتا ہے۔ ابھی دو سال ہوئے ہیں۔ کہ اسی ملک بنگال میں ایک محمد سرفراز خاں صاحب نامے تھے جنہوں نے اسلامی اصلاح کا بیڑا اٹھا کر یہ کوشش کی تھی۔ کہ اس پائدار محل کے ستون نماز۔ روزہ وغیرہ ہی نیچے سے کھینچ لئے جاویں۔ سرفراز خانصاحب نے بنگال کے ایک اسلامی پرچہ میں اپنی اصلاحوں کی تمہیدیوں شروع کی تھی کہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کے احکام جو حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام والتحیات نے قائم فرمائے تھے۔ وہ موجودہ صدی کے مسلمانوں کے مناسب حال نہیں۔ بلکہ اُن میں ہمارے زمانہ کے تعلیم یافتہ اور مہذب جنٹلمینوں کے لئے حسب ذیل اصلاح ہونی چاہیئے۔ مثلاً خدائے ذو الجلالِ والاکرام کے حضور میں نماز کے وقت سربسجود ہو کر ناصیہ نیاز کو بہزار خشوع زمین پر رکھنے کی رسم کو بالکل اڑا دیا جائے۔ اور اسکی بجائے صرف اس قدر جائز رکھا جائے۔ کہ کرسیوں پر بیٹھکر کچھ دعا کر لی جاوے۔ اور جو نمازیوں کا امام آگے کھڑا ہو کر فاتحہ اور دوسری قرآنی سورتیں پڑھتا ہے۔ وہ صرف یہی کرلے۔ کہ مقتدیوں کو پادریوں کیطرح لیکچر سنانے پر کفایت کر لیا کرے۔ اور روزے میں کھانے اور پینے کے روک کو دور کر دیا جاوے۔ اور بجائے اسکے ہلکے قسم کے ناشتے دن کے مختلف اوقات میں کھانیکی اجازت دی جاوے۔ اسیطرح زکوٰۃ کے مبارک اصول کی بیخ کا لکر علیگڑھ کالج کو چندے دئے جایا کریں۔ اور بجائے بیت اللہ شریف کے حج کے ایجوکیشنل کانفرنس کے سالیانہ اجلاسوں میں شریک ہونیکو کافی سمجھ لیا جائے۔ اور حج کو ترک کر دیا جائے۔ مسٹر دلاور حسین صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ "اسلام کا زمانہ تو گزر چکا ہے۔ اور اُسکی زندگی کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ ہاں اگر اسلامی احکام اور شریعت میں ترمیم اور اصلاح کرنا اب سے ہی شروع کر دیا جائیگا۔ تو ہم پر خودبخود واضح ہو جائیگا۔ کہ واقعی طور پر زمانہ اسلام کی حیات کا بادہ لبریز نہیں ہو چکا" اسلئے سب سے پہلے ہمارا یہ فرض ہے۔ کہ اس بات پر غور کریں۔ اور اُسکی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کریں۔ کہ ان مجوزہ اصلاحوں اور ترمیموں کا مذہب اسلام پر کیا اثر ہوگا؟ کیا اصلاحوں اور ترمیموں کے بعد جو مذہب قرار پاتا ہے۔ وہ وہی اسلام ہو سکتا ہے۔ جو حضرت سرور کائنات فخر عرب و عجم نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم کیا تھا؟ مسٹر دلاور حسین مکی اور مدنی سورتوں میں ایک فرق تجویز کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ "حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی مکی زندگی میں جب اللہ تعالےٰ کی توحید اُسکی قدرت وطاقت اور اُسکی محبت کی تعلیم دی۔ تو اسوقت آپکی حیثیت ایک ایسے نبی کی تھی۔ جو تمام اہل جہان کی روحانی اصلاح اور ترقیات کیلئے نازل ہوا تھا۔ لیکن جب آپ نے مدینہ میں شرعی اور قانونی احکام نافذ فرمائے۔ تو اسوقت آپکی حیثیت ایک بادشاہ کی تھی۔ جسکی غرض صرف مدینہ کی شورہ پشت قوموں میں امن قائم رکھنا۔ اور ملک کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچائے رکھنا تھی۔ مکی زندگی میں آنحضرت نے ایسے مذہبی اور اخلاقی علوم کے حقائق و معارف کی تعلیم کی۔ جو ہر جا یکساں ہیں۔ اور محو کئے جانیکے قابل نہیں۔ مدینہ میں جاکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

ان لوگوں کے جو وہاں موجود تھے ۔ مناسب حال سلوک کرنا پڑا"

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے ۔ کہ آیا اس فرق کی تمیز ہمارے لائق دوست مسٹر دلاور حسین ہی کے ایسے ذہن رسا اور دماغ نکتہ سنج کی تراش ہے ۔ اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے بیخبر اور ناواقف تھے ؟ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع فیوض و برکات نے انتہا نے خود بھی کسی ایسے فرق کو بیان فرمایا ہے ؟ مسٹر موصوف کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے ۔ کہ درحقیقت یہ فرق پہلے موجود تھا ۔ لیکن انکے نزدیک یہ قصور خلفائے راشدین کا ہے ۔ کہ انہوں نے مکی اور مدنی سورتوں کو ملا کر گڑبڑ مچادی ۔ بقول مسٹر موصوف قرآنی سورتوں کی یہ اتفاقی ترتیب ہی اس امر کا موجب ہوئی ہے ۔ کہ وہ احکام جو صرف مدینہ طیبہ کے وحشی اور جاہل اور بہائم خصلت ناشائستہ اقوام کے مناسب حال تھے "کاش اگر اسوقت رسولکریم صلعم زندہ ہوتے ۔ تو نہ تو خود ہی ایسی حرکت کرتے اور نہ ہی صحابہ کو کرنے دیتے ۔ اور پھر وہ لکھتے ہیں ۔ کہ "خلفائے راشدین کے افعال اور اقوال وہ تعظیم اور تکریم پانیکا حق نہیں رکھتے جو انکے یعنے رسول خدا صلعم کے اپنے افعال اور اقوال پانیکا حق رکھتے ہیں" غرض اب اس سارے مسئلہ کا مدار اسبات پر آن ٹھہرتا ہے ۔ کہ خود رسولکریم صلعم مدنی سورتوں کو (جنمیں وہ قانونی احکام اور شریعت ہیں جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی) مکی سورتوں سے کم رتبہ سمجھتے تھے ۔ یا دونوں قسم کی سورتوں کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام یکساں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ اگر ہمارے لائق دوست مسٹر دلاور حسن صاحب بیدار مغزی سے کام لیتے تو ایسے امر پر جو سوسائٹی کے مسلم اصول کو تہ وبالا کرنیوالا ہے ۔ لب کشائی کی جراءت کرنیسے پہلے انکا فرض تھا ۔ کہ اس مسئلہ پر ہر ایک نشیب و فراز کے پہلو سے غور کرتے ہمیں تو تعجب آتا ہے کہ مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل انسان جو اتنی بڑی اہم قومی اصلاح کا بیڑہ اٹھانیکے لئے ایسی جراءت کرتے ہیں ۔ ایسے نازک مسئلہ پر جسکا اثر قرآن کریم پر پڑتا ہے ۔ بحث کرتے وقت اسقدر جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں ۔ انہوں نے ایسا بعید القیاس پہلو اختیار کیا ہے جسے دیکھکر نہ صرف ہم بلکہ جو شخص قرآن کریم کو پڑھے گا تعجب کریگا جس حی و قدیر خدا نے مکی سورتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی فرمایا تھا ۔ اُسی عالم الغیب قادر و توانا خدا نے اسی طرح مدنی سورتوں کو وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم پر نازل فرمایا ۔ اور سارے قرآن میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ملیگا ۔ جس سے کوئی باسمجھ انسان یہ نتیجہ نکال سکے ۔ کہ مدنی سورتوں کے احکام مکی سورتوں کے احکام سے الگ اور نرالے رنگ کے ہیں ۔ اور نہ ہی اسبات کا قطعاً کوئی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مدنی احکام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی الٰہی کے اپنی طرف سے ہی دیدیئے تھے ۔ غور کی بات ہے ۔ کہ ذیل کی آیۃ شریفہ ایک مدنی صورت میں ہی نازل ہوئی ہے جس سے یہ امر حتمی طور پر ثابت ہوتا ہے ۔ کہ سارے کا سارا قرآن شریف کیا وہ حصہ جو مکہ میں نازل ہوا تھا ۔ اور کیا وہ جو مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا ۔ بلا کسی تفاوت اور فرق کے اللہ تعالے کی طرف سے یکساں الہام ہے ۔ وہ آیۃ یہ ہے ۔ افلا یتدبرون

جو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے درمیان بڑی [illegible] تباہی کا موجب ہوئے۔

القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیراً یعنی کیا پھر وہ قرآن کو سوچ اور بچار سے نہیں پڑھتے ؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو انہیں بہت سے ختلاف یقیناً مل جاتے ۔

اب ناظرین خود ہی غور فرماویں۔ کہ جبکہ ایک مدنی سورۃ میں یہ آیۃ موجود ہے جو بلا تفاوت سارے قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر قاطع اور ساطع دلیل ہے۔ تو اسکے مقابل میں مسٹر ولادر حسین صاحب کی یہ باتیں کس وقعت کے قابل ہیں۔ کہ مدنی سورتوں میں جو احکام درج ہیں۔ وہ خدا کی وحی کے بغیر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے صرف اُن وحشی لوگوں پر سیاست اور حکومت کی غرض سے درج کئے ہیں۔ اسکے ماسواء ایک اور مدنی سورۃ میں ذیل کی آیۃ ہے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا ....

یعنی جو کچھ ہمنے اپنے بندے (حضرت سرور کائنات) کیطرف نازل کیا ہے۔ اگر اسمیں تمہیں کچھ شک ہے۔ تو تم کوئی ایسی سورۃ لا دکھاؤ۔ اور خدا کے سوا اپنے گواہوں کو طلب کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر تم نکرو۔ اور کسی طرح ویسی سورۃ نہیں لا سکو گے"۔

جہانتک ہم قیاس کر سکتے ہیں انہی آیات ہی مسٹر ولادر حسن صاحب کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہونگی۔ کہ انہوں نے ایک غلط پہلو اختیار کیا ہے۔ اور انکو صاف ثابت ہو جائیگا۔ کہ مدنی سورتیں بھی اسی علام الغیوب کی وحی ہے جس نے اپنی کامل قدرت سے مکہ معظمہ میں اپنے پیارے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر بغرض تسخیر اخلاقی دینی معارف و حقائق کو بذریعہ وحی کے نازل فرمایا تھا۔ یہ بات اس حد تک صاف اور کھلی ہے۔ کہ مدنی احکام اور فرائض آنحضرت صلعم نے کسی مصلحت اور ضرورت کیلئے نہیں بنائے تھے۔ بلکہ جو کچھ وہ اللہ تعالےٰ سے پاتے وہی آگے پہونچاتے تھے۔ مسٹر ولادر حسین اگر قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونیکے قائل ہوں۔ تو شاید یہ اعتراض کریں۔ کہ اگرچہ یہ احکام اللہ تعالےٰ ہی کیطرف سے وحی ہوئے تھے لیکن انسے یہ مراد نہیں تھی۔ کہ ہمیشہ کیلئے یہ احکام دیئے گئے ہیں۔ اور تمام جہان پر فرض کئے گئے ہیں بلکہ وہ خاص حالات کے ماتحت خاص خاص اقوام کو دیئے گئے تھے۔ اس صورت میں مدنی احکام کے ساتھ ایسے الفاظ دکھلانیکا بار ثبوت اُنکے ذمے ہے۔ کہ جن سے یہ بات صریح طور پر ظاہر ہو۔ کہ یہ مدنی احکام محدود القوم اور محدود الوقت تھے۔ اور یہ دکھلانا بھی انہیں کا ذمہ ہے۔ کہ مکی سورتوں کے ساتھ ایسے الفاظ نہیں۔ اس بات کو ماننے کے لئے ہم طیار ہیں۔ کہ اگر آنحضرت صلعم صرف عربوں ہی کیلئے رسول بنکر آئے ہوتے تو یہ قوانین اور احکام شاید دوامی ہونے کا دعوی کرنیکے حقدار نہوتے۔ لیکن آپکی ذات مبارک تو رحمۃ للعلمین ہے۔ اور آپ تمام جہان کی ہدایت کے لئے زندہ نبی ہیں۔ جنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا یعنے تو کہہ کہ اے دنیا کے لوگو میں تم سب کیطرف رسول ہو کر
آیا ہوں۔ اسلئے آپکی تمام وحی بالاستقلال آئندہ کے لئے ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم سے یہ بات بھی
سمجھ میں آتی ہے۔ کہ جو شریعت آنحضرت صلعم کو بذریعہ وحی عطا ہوئی ہے۔ وہ آخری شریعت ہے۔
اور کوئی نئی شریعت اسکے بعد نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی اسکو منسوخ کر سکتی ہے۔ اسلئے تمام قوانین
اور قانونی احکام جو اسمیں درج ہیں۔ خواہ دینی حقائق اور معارف ہوں۔ اور خواہ وہ تمدن و معاشرت
کے متعلق ہوں۔ وہ سب مدامی اور مستقل ہیں۔ اور جس شخص کو آنحضرت صلعم کی رسالت پر ایمان
ہے۔ وہ ہر وقت ان احکام کو واجب التعمیل مانیگا۔

اسکے علاوہ ایک اور پہلو سے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پردہ۔ کثرت
ازدواج طلاق اور وراثت کے احکام دوسرے سینکڑوں دینی احکام اور فرائض سے جدا نہیں ہو
سکتے جن کا مجموعہ شریعت اسلامی ہے۔ بلکہ اُن تعلیموں سے بھی الگ نہیں ہو سکتے ہیں جنکا منشاء یہ
ہے۔ کہ ہم اپنے نوع جنس پر شفقت اور لطف کریں۔ اور اسطرح خدا کی رضاجوئی کریں۔ اور اسکی حمد اور شکر بجا
لائیں۔ اور اسکے لاانتہا رحم اور فضل و کرم کا شکریہ ادا کریں۔ اور مؤخر الذکر تعلیمات وہ تعلیمات ہیں جنہیں
مسٹر ولا اور حسین خود مانتے ہیں۔ کہ یہ غیر متغیر اور مدامی تعلیم ہے۔ پس اگر مدنی سورتوں کو رد کر دیا
جائے۔ تو انکے ساتھ بہت سے ایسے حقایق اور احکام کو رد کرنا پڑیگا۔ جو غیر متبدل اور مدامی ہیں۔ اور
جنکی اس تہذیب کے زمانے میں واجب التعمیل ہونے پر خود مسٹر ولا اور حسین کو بھی کوئی اعتراض
نہیں۔ اور ان تمام صداقتوں کا بیش قیمت خزانہ صرف اُن تین یا چار باتونکو دور کرنیکی خاطر
رد کرنا پڑے گا جنہیں وہ قبیح اور مضر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ جن مسائل کو انہوں نے قبیح اور
مضر قرار دیا ہے۔ وہ ایسے مسائل ہیں جو صحیح طور پر اعلےٰ درجہ کے علمی اصول اور حقائق پر مبنی ہیں
اور جنکو اس زمانہ اور اس ملک میں اُنسے بڑھکر فاضل اور کم از کم مساوی درجہ کے آزاد خیال
والے لوگوں نے انہیں مسائل کو دنیا کے لئے مفید اور نوع انسان کی بہتری کا باعث قرار دیا ہے
الحق مُر مشہور قول ہے۔ مگر سچی بات کا نہ کہنا بھی ایمانداری نہیں۔ مسٹر ولا اور حسین کو حقیقی اسلام
کی برکتوں کی لذت سے بہرہ نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ اسکے حسن جان ربا کے کرشموں سے کچھ خبر
ہی ملی ہے۔ کاش انہیں اس لذت سے کچھ حصہ نصیب ہوتا۔ اور وہ اس مہر منور کے
حسن سے کچھ خبر پاتے تا اس بے خبری اور کوری میں ان احکام پر ایسا فتویٰ صادر نہ کرتے۔ اور اسمیں
وہ ایک حد تک معذور بھی ہیں۔ کیونکہ جو حال انکا ہے۔ اسمیں وہ اکیلے ہی مبتلا نہیں۔ بلکہ اس ملک
کے بہت دولکا یہی حال ہو رہا ہے۔ پھر ایک اور دلیل اس امر پر کہ شریعت اسلام کے احکام ہر قوم
و ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ یہ ہے کہ اسلام کی برکات دائمی برکات ہیں عیسائیت اور دوسرے مخالف

مذہبوں کی طرح اسلام ایسا مذہب نہیں۔ کہ جسمیں وہ برکات نہ رہی ہوں جنکا اسکے ماننے والوں کو وعدہ دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ وہ پاک دین ہے۔ جو سدا بہرے پھل سے بھرے باغ کی طرح ہے۔ کہ جس کی سرسبزی میں کبھی فرق آتا ہی نہیں۔ اور جسمیں ثمرات کبھی ختم ہوتے ہی نہیں۔ اب بھی ایک مومن مسلمان قرآن کریم پر عمل کرنے سے انہیں برکتوں کا وارث ہو جاتا ہے جنکا اس پاک کتاب میں وعدہ درج ہے۔ ایک انسان پرست عیسائی یہ کہیگا۔ کہ پہاڑوں کو جگہ سے ٹلا دینے اور زہر ہلاہل کو کھا جانے۔ اور اس سے کچھ نقصان نہ پانیکی فوق العادت طاقت جو مومنوں کے لئے انجیل میں وعدہ دیگئی ہے۔ اسکا خاتمہ صرف مسیح کی حواریوں پر ہو چکا۔ لیکن ہم مسلمانوں کا خدا کے فضل سے آجتک یہ دعویٰ ہے۔ کہ خدا کے کلام پر صدق دل سے عمل کرنیکی برکت سے دعا کی قبولیت اور خدا سے مکالمہ کا شرف ہر وقت حاصل ہو سکتا ہے۔

پس جب اسلام کی برکتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ تو اسکے احکام بھی کبھی بیکار نہ ہونگے۔ اگر ایک شخص ان برکات کو حاصل کرنے سے محروم ہے۔ یا ان احکام شریعت کو ہمیشہ کے لئے قابل عمل نہیں سمجھتا۔ تو یہ اُسکے فہم کا قصور ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اب دیکھنا یہ امر ہے۔ کہ ان مدنی احکام کو قرآن کریم کس طرح پیش کرتا ہے؟

آیۃ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ایک مدنی سورۃ میں وارد ہے۔ اس آیۃ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا ہے۔ جس سورۃ میں یہ آیۃ ہے۔ یہ وہ سورۃ مبارکہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آخر حصہ زندگی میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ اسسے صاف ظاہر ہے۔ کہ دین اسلام کی تکمیل اور اتمام نعمت جنکی طرف اس آیۃ کا اشارہ ہے۔ وہ مدنی احکام کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر مدنی اور مکی سورتوں میں اسی قسم کا فرق ہوتا جو مسٹر ولاوجیبن صاحب بیان کرتے ہیں۔ تو تکمیل دین اور اتمام نعمت کے متعلق اس مضمون کی آیۃ مکی سورتوں کا تتمہ ہونا چاہئے تھی۔ نہ کہ مدنی سورتوں کا۔ لیکن یہاں تو مدنی حصہ قرآن کو شامل کرکے ایک سورۃ میں یہ تکمیلی اور اتمامی کلام نازل ہوا ہے۔ اور ماسوا اس کے اس آیۃ شریفہ میں کنایۃ یا صراحت سے کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان کوئی فرق یا امتیاز ظاہر ہو سکے۔ یہ آیۃ مکی اور مدنی سورتوں پر مساوی طور پر حاوی ہے۔ نہ تو خود قرآن کریم نے ہی مانا ہے۔ کہ مکی سورتیں ہی اتمام اور تکمیل دین کے لئے بس ہیں۔ اور نہ ہی دین اسلام مدنی سورتوں کے بغیر اتم اور اکمل ہو سکتا ہے۔ پس ظاہر ہے۔ کہ دین اسلام کے لئے مکی سورتوں کی طرح مدنی سورتیں بھی نہایت ضروری اور جزو لاینفک ہیں۔ ورنہ اسکے بغیر اسلام ناقص اور غیر مکمل رہتا ہے۔ اور اسکا دعویٰ اتمام اور تکمیل عبث ٹھہرتا ہے۔ اب رہا سورتوں کی ترتیب کا معاملہ

سو چونکہ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔ اسلئے ہم کسی وقت اسپر علیحدہ بحث کرینگے۔ سردست اسجگہ ہم ناظرین کو اسبات سے آگاہ کردینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ یہ بات سچی نہیں ہے۔ کہ قرآنی سورتوں کی ترتیب محض اتفاقی واقعہ ہوئی ہے۔ اور نہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف خلفائے راشدین نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا سورتوں کو ترتیب دے لیا۔ خود قرآن کریم تو یہ دعویٰ کرتا ہے۔ کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن اس وعدہ میں اللہ تعالے نے صاف فرمایا ہے۔ کہ ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا۔ اور ہم خود ہی اسکے نگاہبان ہونگے۔ اب جو شخص خدا کی ہستی اور اسکے اوصاف پر ایمان رکھتا ہے۔ خوب سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس قرآن کے متعلق انسانی ہاتھوں سے کسی طرح کی دستکاری کو۔ کیا بلحاظ اسکی ترتیب وغیرہ کے دخل پانا ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدائی وعدہ انسانی دستکاری کا مانع ہے۔ اور یہ صحیح یقینی اور ثابت شدہ واقعہ ہے۔ کہ خداوند ذوالجلال والاکرام نے قرآن کریم کو انسان کے ہاتھوں سے کسطرح محفوظ رکھا ہے۔ اور کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ کہ ایک نقطہ یا شوشہ تک قرآن کریم میں تحریف کرسکے۔ آج صفحۂ دنیا پر ایک ہی پاک اور بے عیب کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ جو تمام سماوی کتابوں کے میدان میں خم ٹھونک کر باآواز بلند کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ ان سب میں سے صرف میں ہی ہوں جس کو ہر طرح خدا محفوظ رکھتا ہے۔ اور جس میں کوئی انسان کسی طرح کا تصرف نہیں کرسکتا۔ اور نہ کرہی سکا ہے۔ اور اس وقت تک وہی قرآن محفوظ ہوں۔ جو فخر کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اسجگہ پر اس مضمون پر ہم بہ تفصیل بحث نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہ خود ایک مستقل مضمون ہے۔ ہم انشاء اللہ تعالے مسٹر ولاورحسین کے جوابی مضامین کے سلسلہ میں ہی الگ مضمون میں اس پر مفصل بحث کرینگے۔ کیونکہ یہ خیالات مسٹر ولاورحسین ہی کے نہیں۔ بلکہ عیسائی۔ پادری بھی نادانی سے بعض وقت یہ اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔

ہمیں یہ بات دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ کہ مسٹر ولاورحسین نے ان مسائل پر ٹھنڈے دل سے بحث نہیں کی۔ مغربی تہذیب کی مدح سرائی اور ہر ایک اسلامی مسئلہ کی تخفیف کرتے ہیں۔ اپنے کلام میں علمی یا تواریخی طرز تحقیق اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ جن امور کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر رنگ چڑھانے کے لیے ہر ایک قسم کے خیالات پیش کرتے ہیں۔ خواہ وہ کیسے ہی بیہودہ اور کمزور کیوں نہوں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ پردہ کی رسم اسلامی قوموں کی ترقی

کے لئے سد راہ ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ مجھے نہایت افسوس سے اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ کہ تاریخ عرب کے مطالعہ سے میں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تہذیب کے زمانہ میں مسلمانوں کی عورتوں کی حالت بہت پستی میں گر گئی اور عرب کے صحرانشینوں میں جو عورتوں کی حمایت کی سچی روح پائی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کی نظم ہمارے دلوں کو فریفتہ کرتی ہے۔ وہ بتدریج مردہ ہوگئی اور اس کی بجائے گھروں میں لونڈیاں رکھنا رواج پا گیا۔ اور لونڈیوں کی تجارت ایک مستقل صورت اختیار کر گئی۔ اور میدان کارزار میں جو مدد عورتیں دیا کرتی تھیں۔ اس کی رسم بھی بالکل جاتی رہی۔ اس بیان کی تائید میں وہ کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ انکے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو انہوں نے تاریخ عرب پڑھی ہی نہیں اور یا انکی منشا ہے۔ کہ مسلمان پھر اسی ذلت اور جہالت اور وحشت کے قعر میں غرق ہوں جس میں ایام جاہلیت کے عرب غرق تھے۔ وہ جاہلیت کا زمانہ جس کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں۔ وہ تو ایسا زمانہ تھا۔ جب عورت ایک نہایت ہی ذلیل حالت میں تھی۔ وہ خاوند کی جائیداد شمار ہوتی تھی۔ اور باپ کے ترکہ کے تقسیم میں بیٹے کو ورثہ میں ملتی تھی۔ اور معصوم لڑکی پیدا ہوتے ہی ہلاک کیجاتی تھی۔ اور مرد بلا تعداد اور بلا قید عورتوں کو گھروں میں رکھا کرتے تھے۔ اور فسق و فجور حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ابنائے وحشت کی روح حمایت کو بجز اس کے ہی پاسکتے ہیں۔ کہ یہ زمانہ واپس آجاوے۔ کیا پردہ کی رسم کو دور کرنے کی خوشی حاصل کرنے کے لئے مسٹر دلاور حسین صاحب اُن تمام بدکاریوں اور بدرسموں کو جنکو اسلام جڑ سے اکھاڑ چکا ہے۔ از سر نو رواج دینگے۔ کیا یہی وہ طرز اصلاح ہے جس کو اسلامی سوسائٹی میں رواج دینے کے وہ درپے ہو رہے ہیں؟ کیا پردہ ایسی بُری چیز ہے۔ کہ ایام جہالت کے عرب کی وہ ساری سیاہ کاریاں بھی اس سے کم درجہ پر ہیں۔ اور انکے مقابل میں پردہ زیادہ نقصان رساں ہے۔ کیا کوئی عقلمند انسان باور کرسکتا ہے۔ کہ یہ باتیں صحیح ہیں؟ کیا یہی وہ نیا اسلام ہے جسکی طرف ایسے صاحبان ہمیں لیجانا چاہتے ہیں؟ اسلام کے دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں۔ کہ اسلام نے دنیا میں عورت کی منزلت کو بڑھا دیا ہے۔ اور اسے بہت سے ضروری حقوق سے متمتع کیا ہے۔ جس پر آج وہ ناز کرسکتی ہے۔ یعنی اسے حق بخشتا ہے۔ کہ وہ علم حاصل کرے۔ اسے حق دیا ہے۔ کہ وہ خاوند سے علیحدہ اپنی جائیداد کی وارث ہو اور اس پر قابض رہے۔ لیکن مسٹر دلاور حسین ہر ایک اسلامی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کی حالت زمانہ جاہلیت سے بھی بہت نیچے گرا دی ہے۔ حالانکہ اسوقت گو وہ پردہ میں

نہ ہوں مگر یہاں تک ام نہیں انسانیت سے خارج سمجھا گیا تھا کہ لڑکی کو مار ڈالنا اچھا کام سمجھا جاتا تھا +
علاوہ اس کے مذکورہ بالا فقرہ میں بعض نہایت ظالمانہ غلط بیانیاں کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ لونڈیوں کے گھروں میں رکھنے کے اسلام نے ہی بنیاد ڈالی۔ اور اسلام نے ہی غلامی کی تجارت کو رواج دیا۔ حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں عربی سوسائٹی میں زمانہ جاہلیت میں مروج اور موجود تھیں۔ اور نہایت بدترین حالت میں موجود تھیں اسلام نے جو کیا وہ صرف یہ تھا کہ ان ہر دو امور میں عمدہ سے عمدہ اصلاح جو ممکن تھی۔ کر دکھائی۔ نہ ہی صراحت یا کنایتہ سے اسلام نے عورتوں کا جنگوں میں جاکر مدد دینا مسدود کیا۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمان سعادت اوان میں مسلمان خواتین معرکہ آئے کارزار میں پہنچ کر امداد کرتی تھیں۔ اور یہ دستور نہ صرف اس وقت تک ہی جاری رہا جب تک کہ پردہ کا حکم صادر نہوا بلکہ پردہ کے حکم والی آیات نازل ہو جانے کے بعد بھی برابر مسلمان عورتیں اسی طرح میدانوں میں مدد کے لئے آتیں اور مدد دیتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ رسم پردہ پر جو اسلام کے دشمن اور دوست اعتراضات کرتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اصلی اور حقیقی اسلامی پردہ اسی کو سمجھ رکھا ہے جو موجودہ بگڑی ہوئی صورت میں عام طور پر مسلمانوں کے رواجوں میں پایا جاتا ہے۔ معترض یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے کہاں تک پردہ کو ضروری قرار دیا ہے اور آیا وہ انسانوں کی اصلاح کے لئے ضروری تھا کہ نہیں اور ضروری ہے کہ نہیں +

جس نہج سے مسٹر دلاور حسین عربی علم ادب کی تعلیم کو فضول اور نکما سمجھتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نکتہ چینی منصفانہ طور پر نہیں۔ ان کی رائے میں عربی تعلیم مسلمان سوسائٹی کی ترقی کی کے لئے نہایت مضر ہے۔ وہ قرار دیتے ہیں کہ عربی علم ادب سے تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہوتی۔ اگر عربی علم ادب کا سیکھنا واقعہ میں ایسا ہی بے ثمر تھا اور اسی قسم کی سریع الاعتقادی اور سادہ لوحی اور باطل پرستی سکھلانے والا ہی تھا جیسا وہ اسے بیان کرتے ہیں تو کیونکر عربی ہی کی تعلیم سے مسلمان تہذیب کے معراج پر پہنچ گئے تھے۔ اور کس طرح وہ دوسرے ملکوں میں چراغ علم کے روشن کرنے کا موجب ہوئے۔ اور علم ریاضی و نجوم و تواریخ و جغرافیہ وغیرہ علوم میں تمام جہان کے استاد بن گئے ؟ کیا پھر یہ بات کہ عربی تعلیم سے مادہ تحقیقات پیدا نہیں ہوتا صحیح اور منصفانہ ہے ؟ اب ناظرین اس عجیب طریق کو بھی ملاحظہ فرمائیں جس سے صاحب موصوف اپنے اس بیان کی تائید کرتے ہیں " کیا پڑھنے والے اس بات کی امید کرتے ہیں کہ ابن حجر کی کتاب غبطۃ النظر پڑھنے سے تحقیقات کا مادہ پیدا ہوگا " یہ کتاب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی سوانح عمری ہے۔ اور مسٹر دلاور حسین صاحب کو اس کے مطالعہ کرنے پر اس لئے اعتراض ہے کہ اسمیں حضرت شیخ مرحوم علیہ السلام کی بعض کرامات کا ذکر ہے۔ مثلاً اس میں لکھا ہے کہ آپ نے دریائے دجلہ کو طغیانی سے روک دیا۔ اور کہیں بارش ہونے سے منع کر دی۔ اور آسمان تک سیر دراز کر گئے اور والدہ کی موت کا وقت بتا دیا۔

اور شیر خواری کی حالت میں رمضان میں والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ ان کرامات کو بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "کیا ان لغو اور باطل کہانیوں کے پھیلانے سے تحقیقات کی عادت کو ترغیب ملنے کے کوئی امید ہو سکتی ہے ؟ یا تم امید نہیں کرتے کہ ایسی شرمناک جھوٹی کہانیوں کی اشاعت جو پادریوں اور پروہتوں نے محض بے حیائی سے ایجاد کی ہوئی ہیں تدبیر اور تحقیق کے مادہ کا گلا گھونٹ دیگی ؛ عربی تعلیم ہمیں ایسے جھوٹے اور غیر ممکن قصے اور کہانیاں سکھلائیگی۔ اور ہمیں سریع الاعتقادی میں ڈوبے رکھیگی۔ جو جہالت میں گرنے کی ایک اور راہ ہے"۔ مسٹر دلاور حسن کی منطقی نکتہ سنجی اور باریک بینی کی پوری تعظیم کر کے ہم ان سے ہی بہ ادب پوچھتے ہیں کہ کیا انکے نزدیک استدلال کرنے کا یہی صحیح طریق ہے ؛ تمام قدیم اور جدید اور دینی اور دنیاوی عربی لٹریچر کو صرف اسی ایک بات کے قصور میں ملزم ٹھیراتے ہیں کہ اس میں ایک ایسی کتاب لکھی ہوئی ہے جس میں ایک ولی اللہ کی بعض ایسی کرامات درج ہیں جنہیں وہ نہیں مان سکتے۔ کیا یہ کتاب غبطۃ النظر جس سے ان کا غصہ اس قدر بھڑکا ہے ایک ہی کتاب اس زبان میں ہے یا کیا یہی سب سے بہتر کتاب مسلم ہو چکی ہے یا کیا یہی کتاب عربی زباندانی کے لئے بطور معیار کے ہے ؟ کیا انگریزی زبان میں سنٹوں کی سوانح عمری میں ان سے ہزار درجے بڑھ کر بیہودہ کہانیاں پائی نہیں جاتیں ؛ کیا مسٹر دلاور حسین نے انہیں کبھی نہیں دیکھا ؛ یا کیا اسی بنا پر انگریزی زبان کی تعلیم کی مخالفت کرنے کے لئے بھی وہ اسی طرح طیار ہیں ؛ اس زمانے میں جو کہ ہر شاخ علم میں لغات کا زمانہ ہے انہیں ایسی کتابوں کے تلاش کرنے کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم انہیں ایک آسان راہ بتاتے ہیں کہ وہ صرف **ڈکشنری آف میریکلز** یعنے فرہنگ کرامات کا مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ انگریزی زبان میں کیسی بیہودہ کہانیاں درج ہیں جن کے سامنے بیہودگی خود نادم ہوتی ہے +

انگریزی علم ادب بھی ان عیوب اور نقائص سے پاک نہیں جو انہیں عربی لٹریچر میں نظر آتے ہیں۔ اگر ان کا یہ خیال ہو کہ ایسے قصے آجکل انگریزی میں پڑھے نہیں جاتے اور اس لئے ان کا انگریزی زباندانی پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو یہی بات ہم غبطۃ النظر کے متعلق بھی کہ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر دلاور حسین اس بات سے ناواقف ہیں کہ اس زمانے میں عربی نے کس قدر بڑی ترقی کی ہے۔ اور تمام علمی تحقیقاتوں اور جدید معلومات کا مخزن اور مرجع ہو گئی ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں جو معلومات پائی جاسکتی ہیں وہ سب عربی زبان میں مل سکتی ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ مسٹر دلاور حسین کو ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق ہوگا کہ انگریزی زبان میں بائیبل ایک اعلےٰ درجہ کی زباندانی کی کتاب مانی گئی ہے اور اسے پڑھے بغیر انگریزی زبان کی تعلیم ہی ناقص سمجھی جاتی ہے +

اب اس بائیبل میں کیا ہے ؟ یہ تو اسی قسم کی کہانیوں اور قصوں سے بھری ہوئی ہے جن کو خود مسٹر دلاور حسین جیسے فاضل اور منطقی انسان جھوٹے اور لغو قصے بیان کرتے

ہیں جو اُن کے خیال میں پادریوں اور پروہتوں وغیرہ نے محض بیحیائی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں ان لوگوں کی نظروں میں یہ ایسے لغو قصے ہیں جن کے مقابلہ میں غنیتہ الطالبین کی حکایات ہزاروں درجے کم لغو نظر آتی ہیں۔ اور جو بقول مسٹر دلاور حسین قوم کو سخت ضعیف الاعتقادی اور باطل پرستی کے گڑھے میں غرق رکھتی ہیں اُنہیں کی کلام ۵ اُنہیں پر اُلٹا کر معارضہ کرنیوالے کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اُن کی خدمت میں یہ عرض کرے کہ "انگریزی زبان کی تعلیم خواہ کتنی وسیع اور عمیق کی جاوے تو بھی اُس سے تفکر اور تحقیقات کی روح پیدا نہیں ہو سکیگی۔ کیا کوئی پڑھنے والا امید کر سکتا ہے۔ کہ بائیبل جیسی کتاب کے پڑھنے سے تفحص اور تحقیقات کے مادے کو تحریک پیدا ہو سکیگی؟ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک عورت کے ہاں خدا پیدا ہوا۔ اور اُس بچے کو لوگ ہزاروں کوسوں سے چل کر یروشلم میں دیکھنے آئے۔ اور اُنکے آگے آگے ایک ستارہ چل رہا تھا جو اُس جگہ پر آ کر ٹھیر گیا جہاں وہ بچہ تھا۔ یہ بھی اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ آدمی جس کا نام یسوع تھا سمندروں پر چلتا اور دیووں کو نکالتا تھا۔ اور چھوٹے ہر قسم کی بیماریوں کو چنگا کرتا تھا۔ اور کئی دنوں کے مردوں کو قبروں میں سے زندہ کر کے نکالتا تھا اُس نے کئی ہزار آدمیوں کو ایک ہی روٹی سے سیر کر دیا۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ موسےٰ اور ایلیا جو کئی صدیوں سے گذر چکے تھے اُس کو ایک پہاڑ پر ملے تھے۔ اور خود مرنے کے تین روز بعد وہ قبر سے جی اُٹھا۔ اور آسمان پر چڑھ گیا۔ اور اُسکے مرنے پر صدیوں کے مردہ لوگ پھر زندہ ہو کر شہر یروشلم میں چلے گئے۔ یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یسوع نے اپنے شاگردوں کو مردہ زندہ کرنے اور دیو نکالنے اور اندھوں کو اچھا کرنے اور سانپوں پر پاؤں رکھ کر چلنے اور زہر نگلنے اور پہاڑ ٹلانے کی طاقت بخشی۔ کیا آپ امید کر سکتے ہیں۔ کہ ایسے غلط اور بیہودہ قصوں کا پھیلنا عادت تحقیق کو تحریک کریگا؟ یا کیا آپ کو امید ہو سکتی ہے کہ ایسے قصوں کی اشاعت سے جو مذہبی لوگوں اور پادریوں نے بیحیائی اور شوخ چشمی سے ایجاد کئے ہوئے ہیں قوۃ تدبر اور تحقیق دب کر مُردہ نہیں ہو جائیگی؟ انگریزی تعلیم ہمیں اسی قسم کے باطل اور ناممکن قصے سکھائیگی اور ہمیں ضعیف الاعتقادی کے ورطہ میں غرق رکھیگی جو جہالت میں گرنے کی ایک اور راہ ہے"۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ اس جگہ اس بات پر بحث کریں کہ فلاں معجزہ ممکن الوقوع ہے۔ اور فلاں معجزہ کو ہم نہیں مانتے۔ ہم صرف مسٹر دلاور حسین صاحب کو دکھانا چاہتے ہیں کہ اُن کے دلائل عربی تعلیم کے برخلاف بالکل بیہودہ اور ضعیف ہیں۔ ہم نے اوپر اُن کی عبارت کو حرف بحرف نقل کیا ہے سوائے اس کے کہ عربی کے بجاے انگریزی اور غنیتہ الطالبین کی بجاے بائبل اور شیخ عبدالقادر کی کرامات کی بجاے یسوع مسیح کی کرامات لکھ دی ہیں۔ ناظرین اب خود ہی قیاس کر سکتے ہیں کہ مسٹر دلاور حسین نے کس نیت اور کس منشاء سے اپنا مضمون لکھا۔ اُنہوں نے اس نہایت ضروری مسئلہ پر کیسی جلدی میں اور بلا تحقیق بحث کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی جو قومی ترقی میں ناموری پانے کی آرزو رکھتے ہیں وہ ان ضروری سوالات پر جنہیں وہ خود حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں گہری نظر

سے توجہ فرمائیں۔ اور علمی اصول پر تحقیق کو اختیار کریں۔ اگر اُن کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں میں تحقیقات کی روح پھونکیں تو اُن کا پہلا فرض ہے کہ وہ خود اس راہ کو اختیار کریں۔ اور پبلک پر ثابت کریں کہ وہ یورپین تہذیب کے ایسے دلدادہ نہیں کہ صرف اُس کی حمایت کے لئے نہ حق جوئی اور تحقیق کی راہ سے دین اسلام کے اصول پر عیب لگاتے ہیں۔ اُنہیں چاہئے کہ جو مسائل اُن کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں۔ اُن پر نہایت متانت اور انصاف سے بحث کریں۔ اور نہایت مطمئن اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ جب تک کہ کسی امر کی تائید میں یا اُس کے برخلاف مضبوط اور قطعی دلائل نہ مل جائیں اُس وقت تک کسی بات پر عیب نہ لگائیں اور نہ ہی کسی بات کی مدح سرائی کریں۔ اگر یورپ کے لوگوں میں فی الواقعہ کوئی اچھی باتیں ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اُنہیں اختیار کرنا چاہئے۔ اور اگر اُن میں کچھ نقصان دہ امور ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُنہیں بُرا کہنے اور ترک کرنے میں تامل نہ کریں +

ہم نے اس مضمون کے شروع شروع میں ہی اپنی پوزیشن کا بیان کر دینا ضروری سمجھا اور اور یہ ظاہر کر دینا لازمی خیال کیا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مسائل کو حکیمانہ طور پر تحقیق کرنے کے وقت اعتقادات کو الگ رکھ دینا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارا مخاطب ہمارا ہم عقیدہ نہ ہو۔ لیکن افسوس ہے تو اس بات کا ہے۔ کہ مسٹر دلاور حسین نے بھی جوش میں آکر محض اپنے ہی اعتقادات ظاہر کر دیئے۔ اور حکیمانہ طرز بحث اختیار نہ کی۔ انہوں نے یورپین اور اسلامی سوسایٹی کو مقابل میں رکھ کر ان رواجوں کو چن لیا ہے۔ جن کا وجود اسلامی سوسایٹی میں ہے اور دوسری سوسایٹی میں نہیں اور پھر وہ فی الفور اس نتیجہ پر آ گئے کہ اسلامی سوسائٹی کے تخریب کا باعث ان امور کا وجود اور یورپین تہذیب کا سبب ان کا نہ ہونا ہے۔

اب اگر یہی طریق درست ہے تو پھر ان کو مناسب تھا کہ وہ یورپین اور اسلامی سوسایٹی کا پورا مقابلہ کرتے اور ایسے خط و خال بھی دیکھتے جو ایک میں موجود ہیں اور دوسرے میں نہیں۔ اور چونکہ یورپ اس وقت کمال تہذیب پر پہونچ چکا ہے۔ اس لئے اس کے ایک خط و خال کو قبول کر لیں۔ مثلاً یورپین تمدن کے ماتحت ایک عورت بالغ منکوحہ کو کامل آزادی ہے کہ وہ جہاں چاہے جاوے۔ وہ خاوند بیشک بہت ہی نالائق اور حاسد خاوند ہے اور اس میں بدبختی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جو اس بات کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ اس کی عورت باہر جا کر کس کو ملی کس کے مکان میں گئی۔ شریف اور عقلمند خاوند وہ ہے کہ جو اس بات کی پرسش نہ کرے اور ایسا ہی جب ڈاک والا چٹھیاں لاوے تو ان خطوط کو ہاتھ تک بھی نہ لگائے جو ان کی بیگم صاحبہ کے نام آئی ہیں ممکن ہے کہ ان خطوط میں سے کسی خط کا راقم ان کی بیوی صاحبہ کے حسن خداداد کا سچا مداح ہو اور ایسے خط

کو پڑھ کر خاوند صاحب میں وہ نالایق اور ردی جذبہ جوش زن ہو جاوے جسکا نام حسد اور رقابت ہے آخر حسن خدا ہی کا عطیہ ہے۔ خاوند کا پیدا کردہ نہیں اور اگر کوئی اس کی تعریف کرتا ہے۔ تو محض خدا کی تعریف کر رہا ہے۔ کیوں ہم اپنی رقیبانہ مزاج سے خدا کی اس تحمید و تمجید کو جو وہ کر رہا ہے روکیں۔

بنی آدم اعضائے یکدیگرند۔ تمدن انسانی میل جول کو چاہتا ہے اور ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کی خوشی اور راحت کو بڑھائے۔ تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت اور مرد کا ایک جلسہ میں جمع ہونا اور ان کا شریک ہو کر کوئی کام کرنا بہت ہی خوشی اور سرور کا موجب ہوتا ہے تو پھر اگر کوئی حسینہ جمیلہ عورت کسی کے نکاح میں اتفاق حسنہ سے آگئی کہ جس کو دیکھ کر ہر ایک انسان کی روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ تو کیوں ایک حاسد مزاج خاوند ایسے غزال رعنا کو پردہ کے پیچھے میں بند کر کے خلق خدا کو سچی راحت سے روک رہا ہے وہ انسانی سوسایٹی کا دشمن ہے اور انسانی راحت کو گھٹا رہا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی عورت کو کم از کم ایسے لوگوں میں لیجاوے جو اس کو دیکھکر خوش ہوں جو اس کے حسن کی اور اسکے لباس کی تعریف کریں جس لباس نے اس کے حسن کو بڑھا دیا اور وہ تعریف کرنے کی اجازت دے۔ اور ایسی تعریف سے خوش ہو۔ اور اس موقعہ پر ان لوگوں کا شکریہ بھی ادا کرے کہ جن حسن پرستوں نے آپکی بیوی صاحبہ کی تعریف کی تھی۔ اس سے بڑھکر ایک انسان کے لئے سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کی راحت کا موجب ہو سکے۔ مثلاً اگر بال میں جاکر کسی کی خوبصورت بیوی کسی غیر کے ساتھ ناچ کر دیکھنے والوں کو اور خاصکر ناچنے والے کے جذبات کو طمانیت دے رہی ہو تو یہ ایک خدمت انسانی ہے یہ ناچنے والا کا تھوڑا احسان ہے کہ اس نے اس مرد کی بیوی کو سینکڑوں موجود بیویوں میں سے انتخاب کر کے خاوند کو عزت دی۔

میں مسٹر دلاور حسین سے پوچھتا ہوں کہ آخر اس تمام تہذیب کی غایت کیا ہے جس کا اسقدر رونا ہے۔ جب تک اس کی علت وغایت ہم قایم نہ کریں تب تک اس کے نہ ہونے کا رنج نہیں اور اس کے ہونے کی خوشی نہیں۔ آخر اس تہذیب کا آل کیا ہے وہ میرے ساتھ یہ کہنے میں متفق ہوں گے کہ دولت روپیہ پیسہ اس کا مآل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی ذریعہ اس غایت کے حصول کا ہیں۔ تہذیب کی نہایت عقلائے روزگار کے نزدیک یہ ہے کہ انسانی محنت و تکلیف کم ہو اور اس کی فلاحت و راحت زیادہ ہو۔ وہ کم سے کم محنت کر کے زیادہ سے زیادہ راحت حاصل کر سکے۔ یورپین تہذیب جو مسٹر دلاور حسین کا معراج ہے اس نے بیشک محنت کو دن بدن کم کر کے زیادہ سے زیادہ معاوضہ حاصل کر لیا ہے اور اس معاوضہ کو روپیہ کی شکل میں بدلکر روپیہ کے ذریعہ تمام راحتوں کے سامان بہم پہونچائے ہیں اور بڑی سے بڑی راحتوں میں جو ہمارے یورپین دوست مہیا کرتے ہیں اس کی ایک شکل اوپر

ذکر کردی گئی ہے۔ اور یہ ایک ایسا یورپین سوسایٹی کا فیچر ہے جو اسلامی سوسایٹی میں مطلق نہیں۔ جب مسٹر دلاور حسین کا طریق تحقیق بھی ہے کہ اس نے دو سوسایٹوں کے مقابلہ پر جو یورپین سوسائٹی میں بالامتیاز دیکھا اس کو وجہ تہذیب ٹھہرا دیا تو اس لئے مجھے مذکورہ بالا سطور لکھنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ والا میرے نزدیک تو یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ کسی قوم کے تنزل یا ترقی کے اسباب دریافت کرنے کا وہ طریق نہیں جو مسٹر دلاور حسین نے اختیار کیا ہے وہ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ اسلام نے شروع میں فوق العادت ترقی کی۔ اسلام نے ہی اول اول یورپ میں علم وفضل کی روشنی پھیلائی اور یورپ کو قعر جہالت سے نکالکر ترقی کی صراط مستقیم دکھلائی۔ جس قدر سرعت کے ساتھ اسلام نے تہذیب کے منازل طے کئے وہ اپنے اندر ایک اعجاز کا رنگ رکھتے ہیں یورپ کو جو کمال حاصل کرنے میں اسقدر سو برس سے زیادہ عرصہ خرچ کرنا پڑا اور لاکھوں جانیں تلف کرنی پڑیں وہ اسلام نے نصف صدی سے کم عرصہ میں بلا خون کے ضایع ہونے کے حاصل کر دکھایا۔ اس کے ماسوا ہر ایک واقف تاریخ تہذیب کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یورپ چودھویں صدی تک خطرناک جہالت میں گرفتار تھا۔ اس کی اقوام میں ایسے تعصبات اور نقص موجود تھے کہ ان کی نظیر اس وقت بھی اسلام کی موجودہ پست حالت میں نہیں۔ جیسے روم ایک دن میں روم نہیں بنا تھا۔ اسیطرح فرنگستان نے بھی بہت ہی آہستگی کے ساتھ ترقی کی۔ پندرھویں صدی میں ظلمت جہالت اور روشنی علم کا جنگ شروع ہوا اور بہت آہستگی اور مشکلات کے ساتھ آخر کار روشنی علوم نے فتح پاکر یورپ کے سر پر موجودہ تہذیب کا تاج پہنایا۔ اب اگر اسلامی سوسایٹی میں آج ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو اسلام کے عروج کے وقت بھی موجود تھیں بلکہ قبل از عروج سے لیکر ایام عروج میں بھی موجود تھیں۔ تو انہیں تنزل اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اگر بعض ایسی باتیں جو اس وقت یورپ میں نہیں پائی جاتیں وہ یورپین ایام جہالت میں بھی یورپین سوسایٹی میں نہیں پائی جاتی تھیں تو پھر ان کے وجود یا عدم کو یورپین تہذیب سے کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مسٹر دلاور حسین نے یورپین ترقی اور اسلامی تنزل کے اسباب۔ یورپ میں پردہ۔ کثیر الازدواجی طلاق۔ غلامی وغیرہ وغیرہ امور کا نہ ہونا اور اسلامی اقوام میں ان امور کا ہونا بیان کی ہیں۔ لیکن میں ان سے بادب پوچھتا ہوں کہ یہ باتیں تو ابتداً کبھی یورپ میں نہ تھیں۔ پھر کیوں یورپ مدت العمر تک جہالت میں ڈوبا رہا اور تہذیب کے ادنے درجے تک باہر نہ نکل سکا اور بالمقابل اگر ان امور کا وجود ہی اسلام کے لئے باعث تخریب ہوا تو پھر یہ امور تو اس وقت تسلیم کئے گئے تھے جب اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا پھر ان کی موجودگی میں بھی اسلام نے معجزنما ترقی کی۔ معترض کی پوزیشن بیشک مضبوط ہو جاتی اگر وہ دکھلا سکتے کہ یورپ میں ابتداً کثیر الازدواجی پردہ۔ طلاق وغیرہ باتیں بکثرت تھیں۔ اور

اسلام میں بالکل نہ تھیں۔ اس لئے یورپ مدت العمر تک تہذیب سے دور رہا اور اسلام فوق العادت
ترقی تہذیب میں کرتا رہا۔ لیکن جب مسلمانی اقوام نے بہت سی فتوحات پیدا کرلیں اور ان کے پاس
کثرت سے مال و دولت جمع ہوگئے تو پھر اسلامی سوسائٹی میں مذکورہ بالا باتیں پیدا ہوگئیں اور
بالمقابل جب صدیوں تک یورپ نے جہالت کو نہ چھوڑا۔ تو پھر ناچار یورپین اقوام نے مذکورہ بالا
امور کو ترک کیا۔ اس طرح ہر دو اقوام کے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ لہذا اسلام نے ترقی چھوڑ کر
تنزل اختیار کیا اور یورپین سوسائٹی میں دن بدن بہتری نظر آنے لگی۔ لیکن تاریخ اور واقعات
ایسے نتائج اخذ کرنے کے برخلاف ہیں۔ ایک محقق کسی قوم کی ترقی یا عدم ترقی کے اسباب تلاش
کرنے کے وقت اس قوم کا نقطہ انقلاب تلاش کرے گا۔ پھر دیکھے گا کہ اُس وقت خاص میں
کونسے امور اُس قوم میں موجود یا غیر موجود تھے اور پھر اس وقت خاص کے بعد کونسی باتیں اس
قوم نے ترک یا اختیار کیں۔ اب اس نقطہ انقلاب کے بعد اگر اس قوم نے ترقی کی ہے تو اس کی
ترقی کا باعث وہ امور ہوں گے جو اس قوم نے انقلاب کے بعد اختیار کئے اور اس کے موجب
پستی وہ باتیں ہوں گی جن کو انقلاب کے بعد اس قوم نے ترک کر دیا لیکن اس سے پہلے اُس میں
وہ باتیں موجود تھیں۔ اسی طرح اگر اس قوم نے ترقی کرتے کرتے پھر تنزل کی طرف رخ کیا تو پھر بھی
وہی نقطہ انقلاب فیصلہ کن ہوگا اور ان باتوں کی تلاش کرنی ہوگی جو اس وقت کے بعد قوم نے
ترک کر دیں یا اختیار کرلیں۔ ترک کردہ امور کو اسباب ترقی سمجھا جاوے گا۔ اور اختیار کردہ باتوں کو
موانع ترقیات۔ اب اس معیار کے ساتھ اگر ہم مسٹر دلاور حسین کی تھیوری کا امتحان کریں تو ان کی پوزیشن
قایم رہتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ جن امور کے نہ ہونے نے یورپ کو ان کے خیال میں معراج تہذیب
تک پہونچایا وہ ابتدا سے ہی یورپین سوسائٹی میں نہ تھیں لیکن پھر بھی یورپ مدت العمر تک تہذیب
کو چھو تک نہ گیا اور جن باتوں کے وجود نے بخیال ان کے اسلام کو تنزل دکھلایا۔ وہ اس کی ترقی
سے پہلے اور دوران ترقی میں بھی موجود تھیں۔ علاوہ ازیں مسٹر دلاور حسین نے یورپین سوسائٹی کی
ترقی تہذیب میں جن جن اسباب کا حوالہ دیا ہے ان کا بھی ایک ہی پہلو پبلک کے سامنے پیش
کیا ہے۔ ان کے نزدیک فیوڈل سسٹم بہت کچھ یورپین طریق سلطنت کی اصلاح کا باعث ہوا۔
اسکے روسے ایک حصہ فرنگستان میں بادشاہ کے نیچے امرا ہوتے تھے اور ان امرا کے ماتحت جو رعایا تھی
وہی ان کی فوج تھی جو اپنے امرا کے جان نثار تھے اور جو ان کے کہنے کے مطابق بادشاہ کی اطاعت
یا مخالفت پر آمادہ ہوسکتے تھے اس طرح کل ملک کے امرا بحیثیت مجموعی ایک مطلق العنان بادشاہ
کی ظالمانہ کارروائیوں کے لئے ایک طاقتور روک تھی۔ جو معترض کو اسلامی ممالک میں بہ سبب تقسیم
وراثت جایداد زرعی نظر نہیں آتے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں جان بادشاہ انگلستان کا

زمانہ اور امرا کا جمع ہوکر ظالم بادشاہ سے مگنا چارٹا حاصل کرنا پیش کرتے ہیں یہ ایک حد تک درست ہے لیکن اس ایک فایدہ کے مقابل کیا ان کو وہ طوایف الملوکی اور اس کے بدنتایج بھول گئے ہیں جو یورپ صدیوں تک اس فیوڈل سسٹم کے طفیل بھوگتا رہا۔ کیا امرا کی آپس کی خانہ جنگیوں نے اکثر ملک کے ملک تباہ نہیں کئے کیا ایک امیر دوسرے امیر پر آئے دن حملہ آور نہ ہوتا تھا کیا یہی امرا بعض وقت کسی محض ذاتی تعزز اور ذاتی مفاد کے لئے کسی ظالم بادشاہ کے ساتھ ملکر دوسرے مخالف امرا کی تباہی کا باعث نہیں ہوتے تھے۔ کیا ایک امیر کی رعایا کو دوسرے امیر زبردستی پکڑنہ لیتے تھے۔ اور طرح طرح کے ظلموں کا اسے شکار نہ کرتے تھے۔ کیا یہی بیرن اور لارڈ اپنی رعایا کے بل پر قزاقوں اور ڈاکوؤں کا کام نہیں کرتے تھے اور غریب زمینداروں کی محنت کا کمایا ہوا روپیہ ان امرا کی عیاشیوں کے سامان بہم پہونچانے میں خرچ نہ ہوتا تھا۔ انگلستان میں تو فیوڈل سسٹم نے مگنا چارٹا حاصل کردیا لیکن یہ فیوڈل سسٹم تو یورپ کے اور ممالک میں بھی تھا وہاں ملکی اور سیاسی فواید اس سسٹم سے کیا اور کس وقت حاصل ہوئے۔ پھر جب فیوڈل سسٹم رفتہ رفتہ یورپ سے نکل چکا تو اس کی ایک اور صورت سکاٹلنڈ کے پہاڑی اقوام اور ان کے امرا میں رہی۔ یہی پہاڑی اقوام مدت تک انگلستان کے امن میں کانٹے کی طرح چبھتے رہے اور آخر ایک مدبر سلطنت کو ان پہاڑی اقوام کو ایک نیشنل ملیشیا میں بدلکر فیوڈل سسٹم کی پرانی لعنت کا خاتمہ کرنا پڑا۔ اسی طرح جس عدم تقسیم وراثت کی مسٹر لاورحسین تعریف کرتے ہیں۔ کیا اسی عدم تقسیم وراثت کے بدنتایج خود ایڈیسن وغیرہ مصنفین انگلستان ظاہر نہیں کرچکے اس میں شک نہیں کہ اس سے جایداد تقسیم نہیں ہوئی اور کل کی کل بڑے بیٹے کے ہاتھ لگ گئی۔ لیکن کیا اس طریق نے یورپین لارڈوں کو اپاہج عیاش کاروبار سے متنفر نہیں بنایا دوسری طرف اس طریق وراثت نے امرا کے چھوٹے بچوں کو آوارہ گرد روٹی کے محتاج اور دربدر کیا۔ انہوں نے باپ کی زندگی میں تو کسی دستکاری یا کسی حرفہ یا تجارت کی زندگی کا اختیار کرنا اپنی حیثیت کے برخلاف سمجھا اور پھر جب باپ مرگیا تو قوت لایموت کے لئے انہیں اپنے بڑے بھائی کے پیر اصطبل یا میر شکار یا سکریٹ۔ پالنا پڑا اور اپنی بھاوج کی بیجا نازبرداریاں کرنی پڑیں یا اپنے بھتیجوں کی اتالیقی کرنی پڑی۔ یورپین طریق وراثت نے بیشک خاندانی ثروت اور وجاہت کو تو قایم رکھا۔ لیکن خاندان کے دیگر افراد کو خستہ اور تباہ حال کردیا۔

اسی طرح مسٹر لاورحسین نے پوپ کی مذہبی طاقت کو یورپین تہذیب کی ایک بھاری جزو تسلیم کیا ہے اس میں شک نہیں کہ پوپ کی طاقت بعض وقت ظالم فرمانرواؤں کے ظلم سے رعایا کو بچاتی رہی۔ لیکن کیا یہ پوپ کی طاقت خود طرح طرح کے مظالم کی بنیاد نہیں ہوئی۔ کیا یہی طاقت رومن فادرس کی خطرناک سیہ کاریوں کی پردہ پوش نہیں ہوئی۔ کیا اسی طاقت کے بھروسہ پر مریم

سفاکہ نے انگلستان میں معصوم خون کے دریا نہیں بہائے ۔ کیا اسی طاقت کے بھروسہ پر اہل سپین نے بکیس اور بے دست وپا امریکہ کے قدیم باشندگان کو تہ تیغ نہیں کیا۔ اسیطرح مسٹر دلاور حسین پردہ کے متعلق لکھتے لکھتے عرب کی ایام جاہلیت کے عورت مردوں کو یاد کرکے وہ زمانہ پھر دیکھنا چاہتے ہیں ۔ جب عورتیں جنگوں میں مردوں کے ہمراہ جاتی تھیں ۔ اور عرب مرد بھی حمایت ان عورتوں کی ظاہر کرتے تھے ۔ لیکن میرے دوست کو عرب دوں اور عورتوں کی سیہ کاریاں شاید عربی اشعار اور دیوانوں میں نظر نہیں پڑیں کہ جن سیہ کاریوں میں عرب کا نمبر کل دنیا سے بڑھ چکا تھا ۔ میری غرض ان باتوں کے مختصر ذکر کر دینے سے یہ ہے ۔ کہ ایک ٹھنڈے دل کے ساتھ تحقیق کرنے والا انسان کسی انسٹیٹیوشن کا کوئی چمکتا ہوا پہلو دیکھ کر شیدا نہیں ہوسکتا ۔ اور ایسا ہی اگر اس انسٹیٹیوشن نے ملکی تہذیب کے قائم رکھنے میں یا اُس کے ترقی دینے میں کوئی حصہ لیا ہو ۔ لیکن اُس کی قباحتیں تعداد میں فوائد سے زیادہ ہیں تو وہ انسٹیٹیوشن چنداں قابل التفات نہیں ہوتی ۔ جب تک اُس کی قباحتوں کے انسداد کا انتظام بھی ساتھ نہ کیا گیا ہو۔ اسیطرح کوئی بھی چیز بذات خود باستثنا خاص خاص امور کے نہ اچھی اور نہ بُری ہے اُس چیز کا ایک استعمال اُسے انسان کے لئے باعث رحمت کر دیتا ہے ۔ اور دوسرا استعمال اُسے انسانی تباہی کا موجب بنا دیتا ہے پھر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہی چیز تہذیب یا عدم تہذیب کا باعث ہوگئی +

مسٹر دلاور حسین کا فرض تھا کہ وہ ہر ایک انسٹیٹیوشن کے متعلق جذبات سے خالی ہوکر بحث کرتے جو ان کے زیر حملہ تھی ۔ وہ دیکھتے آیا انسانی سوسائٹی کی آسائش کے لئے اُس انسٹیٹیوشن کا ہونا ضروری ہے یا نہیں ۔ اور اگر ضروری ہے تو وہ انسٹیٹیوشن چونکہ اُن کے نزدیک بہت سی قباحتوں کا موجب ہے اُس کا ما بدل بھی کوئی دوسری سوسائٹی میں موجود ہے یا قیاس میں آسکتا ہے یا نہیں ۔ اگر تو ایسا تھا تو پھر وہ انسٹیٹیوشن بیشک قابل ترک تھی ۔ لیکن اگر وہ انسٹیٹیوشن انسانی تمدن اور انسانی ضروریات کے لئے ازبس ضروری تھی ۔ اور اُس کا بدل انسانی دماغ تجویز کر ہی نہیں سکتا ۔ تو پھر اُن کو یہ دیکھنا چاہئے تھا۔ کہ آیا اس انسٹیٹیوشن کے وجود سے جو جو قباحتیں متصور ہیں ان کا کوئی انسداد بھی کیا گیا ہے یا نہیں ۔ اگر وہ اس طریق پر اسلامی تعلیمات کا امتحان کرتے تو مَیں اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اسلامی تعلیم میں ایک خاص امتیاز دیکھتے ۔ اُن کو نظر آجاتا کہ قرآن نے انسانی تمدن اور انسانی معاشرت کو قائم رکھنے اور اُس کو ترقی دینے کے لئے کیسے حکیمانہ اصول استعمال کئے ہیں ۔ وہ دیکھ لیتے کہ اسلام نے اول تو اُن تمام امور کو ترک کر دیا ہے ۔ کہ جنہیں

انسان کے لئے کوئی فائدہ نہیں پھر تمام ایسی باتیں جن سے خیر و شر دونوں متصور تھیں لیکن اُن کا ایک نعم البدل امر بھی ممکن تھا کہ جس سے شر پیدا نہ ہوسکتے تھے ایسی حالت میں اُس امر کو بھی ترک کر کے اُس کی جگہ نعم البدل تجویز کر دیا۔ اور آخر کار ایسے امور کے اختیار کرنے میں کہ جو انسانی آسائش کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اور جن کا بدل بھی ہو نہیں سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اُن کی بد استعمالی بہت کچھ خرابیوں کا موجب ہوسکتی تھی۔ ایسی حالت میں اُن باتوں کو تو اختیار کیا لیکن اُن کی بد استعمالی کا سدباب کیا۔ اسی آخری قسم میں میں طلاق۔ کثیر الازدواجی وغیرہ کو سمجھتا ہوں۔ یہی مذہب اور یہی اصول سوسائٹی کے حکیمانہ قرار دئیے جاسکتے ہیں۔ جس میں انسان کی ہر ایک ضرورت اور اُس کی ہر ایک قوت کی نشو ونما کرنے کے سامان مہیا کئے گئے ہوں۔ اب اگر قوم خدا تعالےٰ اور خدا کے رسول کی وصایا کو بھول جاوے۔ اور اپنی گمرہی کے باعث کسی خاص انسٹیٹیوشن کو بُرے طور سے استعمال کرے تو کیا یہ اُس انسٹیٹیوشن کا قصور ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کے فعل نے خطرناک امراض کے دفعیہ کے لئے نہایت ہی مفید دوائی افیون کی شکل میں پیدا کی ہے۔ اور چین نے اُسے بُرے طور پر استعمال کر کے اُس نعمت الٰہی کو اپنے لئے لعنت بنا لیا ہے تو کیا یہ اعتراض خدا کے اُس فعل پر ہوسکتا ہے۔ اسیطرح اگر انسانی سوسائٹی کے خاص خاص امراض کا خاص خاص وقتوں میں علاج خدا کے کلام نے طلاق اور کثیر الازدواجی کے رنگ میں بتلایا ہے۔ اور ایک قوم نے اُسے بد استعمالی سے قوم کے لئے موجب فساد کر دیا ہے تو کیا جس طرح افیون کے پیدائش میں خدا کا فعل قابل اعتراض نہیں اُسی طرح طلاق اور کثیر الازدواجی کے تجویز کرنے میں خدا کا قول قابل اعتراض ہوسکتا ہے!؟

مسٹر ولا ور حسین کا دوسرا طریق بحث یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ خود تہذیب کی تحقیق اور تعیین کرتے وہ پبلک پر اولاً ظاہر کرتے کہ حقیقی تہذیب کیا ہے انسان کن کن قوائے کے نشو و نما پانے پر مہذب اور کن کن نقصوں کے باعث غیر مہذب کہلاتا ہے۔ وہ ہمارے سامنے یورپین سوسائٹی کے خط و خال پیش کر کے اسی معیار پر اسلامی تعلیم کو آزما رہے ہیں۔ اُن کا پہلا فرض یہ ہے کہ پہلے وہ ہم کو یقین دلادیں کہ یورپین معاشرت و تمدن کا ہی دوسرا نام حقیقی تہذیب ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے طیار ہیں کہ یورپ نے بعض حالات میں تہذیب حاصل کر لی ہے۔ لیکن ہم اس بات کو بھی دیکھ رہے ہیں کہ اخلاق و آداب کے لحاظ سے یورپ ابھی تہذیب میں ناکمل ہے۔ دولت اور روپیہ

کا جمع ہو جانا۔ تھوڑے وقت کا زیادہ معاوضہ ملنا۔ تھوڑی محنت کے مقابل میں زیادہ آسائش ہونا۔ پولیٹیکل اکانمی کے رو سے عین تہذیب ہے اور ہم کو اس لحاظ سے یورپین تہذیب کا قائل ہونا ہوگا۔ لیکن یہ تہذیب محض جسمانیات تک محدود ہے ابھی اخلاقی تہذیب اور روحانی تہذیب باقی ہے۔ کیونکہ انسانی سوسائٹی کا کمال نہ صرف جسمانیات تک ہی محدود ہے۔ بلکہ اخلاقی اور رُوحانی ترقیات بھی انسانی تہذیب کے لئے ضروری ہیں۔ ہم جسمانیات میں یورپین تہذیب کے ایک حد تک قائل ہیں ہم اخلاقی اور رُوحانی حالات کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی یُورپین تہذیب کے مداح نہیں ہو سکتے۔ بہر حال اگر مادی تہذیب کو ہی مدنظر رکھ کر تحقیق کی جائے۔ تو معترض کو اس کے اسباب تلاش کرنے ضروری تھے اور ان اسباب کی تلاش میں اُنہیں تجدید علوم کے زمانہ کی طرف دیکھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہی وقت یورپین تہذیب کا جائے انقلاب تھا۔ اس تحقیق میں اُن کو ایسی باتیں دریافت کرنی تھیں جو تجدید علوم سے پہلے تو یورپ میں نہ تھیں اور بعد میں پیدا ہوگئیں۔ کیونکہ وہی باتیں اس تہذیب کا حقیقی باعث تھیں۔ نہ کثیر الازدواجی وغیرہ کا عدم وجود۔ اس تحقیق کے بعد جب وہ اس یُورپین مادی تہذیب کے اسباب دریافت کر لیتے تو پھر ان اسباب کی تعلیم وہ انہیں مدنی سورتوں میں دیکھتے جنکو وہ قرآن سے خارج کرنا چاہتے ہیں اگر اُن کو ان اسباب بلکہ ان اسباب سے احسن اسباب پیدا کرنے کی تعلیم قرآن میں ملجاتی تو پھر اُن کو قرآنی تعلیم کی حقیقت معلوم ہو جاتی کہ یہ تعلیم اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے تہذیب یافتہ سوسائٹی کے موزون حال ہے۔ البتہ اگر قرآن ایسے تعلیمات سے خالی ثابت ہوتا تو پھر بیشک اُن کا حق تھا کہ وہ قرآن کے تمدن اور معاشرت کے قوانین کو عربی صحرانشینوں کے ہی موزون حال قرار دیتے اور پھر ہم بھی اُن کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے۔ سو اصلی اور ضروری سوال یہ ہے کہ تہذیب کیا ہے +

خواجہ کمال الدین بی۔ اے پلیڈر لاہور

نوٹ ۔ مسٹر دلاور حسین کے بڑے بڑے اعتراض مفصلہ ذیل امور کے متعلق ہیں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ تقسیم وراثت۔ غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت۔ تجارتی سود کی ممانعت۔ اور ان چھ امور کے ساتھ ساتواں اعتراض سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہے ہم ان ساتوں امور پر الگ الگ مضمون انشاء اللہ آیندہ شایع کریں گے +

مصلح کا پہلا فرض کیا ہے

خلاصہ تقریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو لیکچر کے خاتمہ پر جو دوسری جگہ چھپ چکا ہے آپ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمائی

میں آپ سب صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ میرے لیکچر کو سنا۔ میں اس شہر میں ایک مسافر آدمی ہوں اور کل صبح انشاء اللہ چلا جاؤنگا۔ لیکن میں اس شکر اور خوشی کو اپنے ساتھ لیجاؤنگا کہ باوجود اختلاف اعتقاد کے آپ لوگوں نے میرے لیکچر کو نہایت تحمل اور خاموشی سے سنا۔ اکثر آدمی اپنے اعتقاد کے خلاف سنکر جوش میں آجاتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ خوشی ہے کہ اس مجمع میں جس میں ہر مذہب ملت کے آدمی موجود ہیں۔ آپ صاحبان نے میری باتوں کو ٹھنڈے دل سے سنا ہے میں یہ جانتا ہوں اور اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ مدت کے خیالات اور اعتقادات کو چھوڑنا آسان نہیں ہوتا خواہ وہ کیسے ہی غلط اور نقصان رساں کیوں نہ ہوں۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل پر موقوف ہے کہ انسان اپنے اندر علمی یا عملی تبدیلی کر سکے +

یہ مختلف مذہبی خیالات کے تعلیم یافتہ اصحاب کا مجمع اس بات کی علامت ہے کہ وہ وقت بھی عنقریب اس ملک پر آنے والا ہے کہ جیسے اب یہ جسمانی طور پر ایک اجتماع ہوا ہے ایسا ہی دلوں میں اتحاد اور اجتماع بھی ہو اور میں خدائے تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ وقت جلدی لاوے جب ہم اس رُوحانی اجتماع کو بھی دیکھیں۔ تفرقہ نے اس ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن یہ صورت تفرقہ کی ہمیشہ نہیں رہی ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت بڑا اتحاد اور اتفاق تھا اور باوجود اختلاف مذاہب بھی ان میں قابل قدر میل ملاپ تھا لیکن اب وہ حالت نہیں رہی اور اس باہمی محبت کے تعلقات میں بہت فرق آگیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ تفرقہ دور ہو کر وہ وقت جلدی آوے جب پھر باہمی برادرانہ محبت کے ساتھ یہ دونوں قومیں ایک ہو جائیں +

یاد رکھو یہ بڑی تنگ دلی اور تنگ ظرفی کا نشان ہے کہ انسان اختلاف رائے یا اختلاف مذہب کی وجہ سے عمدہ اخلاق کو بھی چھوڑ دے۔ اختلاف رائے اور چیز ہے اور اخلاق اور چیز۔ بلکہ اُس انسان کو با اخلاق نہیں کہا جا سکتا جس کے اخلاق محض اپنے ہم مشربوں تک ہی محدود ہیں۔ انسانی اخلاق کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے عمدہ

اخلاق سے پیش آوے اور اظہار اختلاف کے وقت کوئی اخلاقی کمزوری نہ دکھاوے۔ آج کا جلسہ مجھے تازہ امید دلاتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے تو یہ میل جول دن بدن ترقی کریگا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جب تک طبیعت میں یہ استعداد نہیں ہوتی۔ کہ کوئی شخص صبر اور خوش خلقی سے ایک مخالف رائے کو سن سکے تو وہ ایسی رائے کو سن کر چپ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے آج اس مختلف اجزاء کے کثیر مجمع کے خاموشی اور صبر مجھے امید دلاتے ہیں کہ اچھے نتیجے پیدا ہونگے +

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب مخالف رائے کو سنے تو فوراً جواب دینے کو تیار نہ ہو جاوے کیونکہ مباحثہ کی اصل غرض اظہار صداقت ہونی چاہیئے نہ کہ ہار جیت کی خواہش بیشک وہ آدمی قابل قدر ہے جو مخالف بات کو سن کر اس پر غور اور فکر کرتا ہے اور فی الفور بول نہیں اُٹھتا۔ کیونکہ انسان کسی رائے کے صحیح نتیجہ پر یا کسی امر کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس پر صبر سے غور و فکر نہ کرے۔ اسی راہ پر چلنے سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے اور علم و حکمت ایک ایسا خزانہ ہے جو دنیا کی تمام دولتوں سے اشرف ہے دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں ہے۔ پس جو آدمی جلدی نہیں کرتا بلکہ جو امر اس کے سامنے آوے۔ اس پر فکر کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو تُو مجھے سیدھا راہ دکھا اور بصیرت اور معرفت عطا کر۔ ایسا آدمی علم اور حکمت کے خزانہ کو پا لیتا ہے۔ اور اُس خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے میری یہ سچی خواہش ہے کہ آپ صاحبان اس خزانہ کے حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کریں اور اس لئے میں آپ سب صاحبوں کی خدمت میں ادب عجز اور تواضع سے عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ آج آپ کو سنایا گیا ہے آپ اس پر پوری توجہ سے غور و فکر کریں تاکہ میری محنت بھی ضایع نہ ہو۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے اور میرے دوست مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھا ہے میں اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میں نے کسی کی دل آزاری یا استخفاف مذہب کی نیّت سے نہیں لکھا۔ بلکہ خدا گواہ ہے اور اس سے بہتر گواہ کون ہو سکتا ہے کہ میں نے بہت غور و فکر کے بعد سچے دل سے لکھا ہے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے لکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کا کسی نہ کسی دل پر ضرور اثر ہو گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل۔ یہ لیکچر چھپوا بھی دیا گیا ہے ممکن ہے کہ بعض صاحبوں نے پورا نہ سنا ہو۔ وہ چھپا ہوا لیکچر پڑھ سکتے ہیں۔ پس اس کو پڑھ کر توجہ کریں +

اس وقت فرصت کم ہے اور زیادہ بیان کرنے کی گنجائش نہیں مگر میں مکرر سب صاحبان کی خدمت

میں عرض کرتا ہوں کہ مذہبی مخالفت کو عام مخالفت کا ذریعہ نہ بناویں۔ اور اعتقادی اختلافات
کو دشمنی کا رنگ نہ دیں۔ مذہب انسان کو کیا سکھاتا ہے؟ مذہب تو اس لئے ہوتا ہے
کہ انسان کے اخلاق وسیع ہوں اور وہ اعلےٰ درجہ کا با اخلاق بنے۔ مذہب یہی تعلیم
دیتا ہے۔ کہ انسان اپنے اخلاق کو خدا کے اخلاق کی طرح کرے۔ پس دیکھ لو کہ خدا کے
اخلاق کیسے وسیع ہیں۔ کوئی ہزاروں گالیاں اُسے دے وہ فی الفور اس پر پتھر
برسا کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر ڈالتا۔ پس اسی طرح حقیقی تہذیب یافتہ انسان بہت تحمل
اور برداشت والا ہوتا ہے۔ اور تنگ ظرف نہیں ہوتا۔ تنگ ظرف انسان خواہ ہندو ہو یا
مسلمان یا عیسائی وہ اپنے بزرگوں کو بھی بدنام کرتا ہے۔ میں اس سے منع نہیں کرتا کہ
اختلاف مذہب کا اظہار نہ کرو یا غلطیوں پر جائز نکتہ چینی نہ کرو۔ لیکن جو ایسا کرتے
ہیں۔ ان کو چاہئے کہ نیک نیتی سے ایسا کریں اور تعصب اور کینہ کا رنگ اپنے خیالات
کو نہ دیں۔ ورنہ بجائے فائدہ کے اس طریق سے نقصان متصور ہوگا۔ چاہئے کہ تمہارے
الفاظ سے تمہارے پرانے تعلقات کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ ہندو اور مسلمانوں
کے تعلقات صرف دو چار سال سے نہیں بلکہ صدہا سال سے چلے آتے ہیں۔ خدا کرے
کہ بہت سے دلوں میں جوش ڈال دے کہ ان تعلقات کو دور نہ ہونے دیں +

یہ بھی یاد رکھو کہ مذہب صرف قیل و قال کا نام نہیں۔ جب تک عملی حالتیں
درست نہ ہوں محض قیل و قال کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ یاد رکھو کہ خدا خالی
باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور بہت باتیں کرنے والے کی جس کی عملی حالت
ٹھیک نہ ہو اُس کے حضور کوئی عزت نہیں۔ جس قدر بزرگ اسلام میں یا
ہندوؤں میں اوتار وغیرہ گزرے ہیں اُن کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس
مرتبہ پر نہیں پہنچے جب تک انہوں نے اپنی عملی حالت کو درست نہیں کیا۔ انہوں
نے دوسروں کی اصلاح کا بیڑا نہیں اُٹھایا جب تک پہلے اپنی اصلاح نہیں کر لی۔ جن
جن سچائیوں کا وہ وعظ کرتے تھے پہلے انہوں نے اپنے عمل سے اُن سچائیوں کو
ثابت کر دکھایا۔ قرآن شریف بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا
علیکم انفسکم۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح کرو پھر تم دوسروں
کی اصلاح کے قابل ہو گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ پہلے اپنے آپ کو
درست کیا جاوے۔ جب تک ہم خود اپنے اعمال سے خدا کو راضی نہیں کرتے دوسروں کو خدا کی
رضا کی طرف بلانا عبث ہے۔ جس شخص کے اندر خود روشنی اور نور نہیں وہ

دوسروں کو کیا روشنی دے سکتا ہے۔ اور جو آپ ٹھوکریں کھا رہا ہے وہ دوسروں کو کیا سہارا دے سکتا ہے۔ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو کیا پاک کر سکتا ہے۔ جو شخص محض زبان سے کام لیتا ہے وہ مذہب کو بچوں کا کھیل بناتا ہے۔ ایسے مصلحوں سے بجائے اس کے کہ کوئی فائدہ پہنچے بلکہ قوم کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کی زبان پر تو منطق اور فلسفہ جاری ہے مگر اندر خالی رہتا ہے۔ اپنی زبان سے وہ بڑے بڑے لیکچر دیتے ہیں۔ مگر دل دیکھو تو بالکل خالی ہیں۔ خدا تعالے جانتا ہے کہ میں یہ باتیں نہایت خیر خواہی اور ہمدردی کی خاطر کہہ رہا ہوں کسی کو اختیار ہے کہ خواہ ان کو نیک ظنی پر محمول کرے یا بدظنی پر۔ مگر میں کہونگا کہ جو شخص مصلح بننا چاہتا ہے اُسے چاہئیے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کرے۔ پہلے اپنے اندر روشنی پیدا کرے تو پھر دوسروں کو بھی اُس سے روشنی پہنچ سکتی ہے۔ سورج کو دیکھ لو کہ پہلے خود روشنی حاصل کرکے روشن ہوا تو پھر دوسروں کو روشنی پہنچانے کے قابل ہوا۔ ایسا ہی چاند پہلے خود سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے پھر دوسروں کو روشنی پہنچاتا ہے +

میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے مصلح اور ہر ایک مذہب کے بانی نے یہی تعلیم دی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اب دوسرے کو لاٹھی مارنا تو آسان ہے۔ لیکن اپنے نفس کی قربانی دینا مشکل ہے۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی اصلاح کرے اور خیر خواہی کرے۔ وہ اپنی اصلاح سے شروع کرے۔ قدیم زمانہ کے رشی اور اوتار جنگلوں اور بنوں میں جاکر اپنی اصلاح کیوں کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ جب تک وہ پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح نہ کر لیں گے دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے۔ وہ آج کل کے لکچراروں کی طرح زبان نہ کھولتے تھے جب تک خود عمل نہ کر لیتے تھے۔ یہی خدا تعالے کے قرب اور محبت کی راہ ہے۔ لیکن اب حالت دگرگوں ہے۔ دوسروں کی اصلاح کا ہر کس و ناکس بیڑا اُٹھا رہا ہے۔ مگر اپنی اصلاح کا کسی کو فکر نہیں۔ کہتے بہت ہیں مگر کرتے کچھ نہیں۔ جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اور محض زبان سے ہی کام لیتا ہے اُس کا بیان کرنا پرنالہ کے پانی کی طرح ہے جو جھگڑے پیدا کرتا ہے۔ لیکن جو شخص نور اور معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ اس آسمانی بارش کی طرح ہے جو رحمت الٰہی سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت میری نصیحت آپ یاد رکھیں کیونکہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچے دل سے اور خیر خواہی سے کہا ہے۔ آپ مجھے

آج کے بعد یہاں نہ دیکھیں گے۔ اور میں نہیں جانتا کہ پھر اس طرح اکٹھے ہونے کا موقعہ ہو یا نہ ہو۔ اس لئے میں پھر بھی کہتا ہوں کہ ان تفرقوں کو مٹانے کی کوشش کرو۔ میری نسبت خواہ آپ لوگوں کا کچھ ہی خیال ہو۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش + در نوشت است پند بر دیوار

میری نصیحت پر عمل کرو۔ یاد رکھو کہ جو شخص خود زہر کھا چکا ہے وہ دوسروں کی زہر کا کیا علاج کریگا۔ اگر علاج کرتا ہے تو خود بھی مریگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کریگا۔ خود اس لئے مریگا کہ زہر تو اس میں اثر کر چکا ہے اور اپنے علاج کی طرف وہ متوجہ نہیں۔ اور دوسروں کو اس لئے ہلاک کریگا کہ زہر کے اثر سے اس کے حواس قائم نہیں رہے۔ اس لئے اس کا علاج بجائے مفید ہونے کے مضر ہوگا۔ غرض جس قدر تفرقہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کا باعث وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے زبانوں کو تیز کرنا ہی سیکھا ہے۔ اور اصل حقیقت مذہب سے ناواقف ہیں؂

اس وقت میں ایک اور امر کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ اسلام کے سوائے باقی سب مذاہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی گئی ہے میرا یہ ایمان ہے کہ وہ خدا جو تمام مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے اور جیسا وہ سب کی جسمانی ضروریات کو پورا کر رہا ہے ایسا ہی رُوحانی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے یہ سچ نہیں کہ دُنیا کی ابتدا سے اُس نے صرف ایک قوم کو ہی چُن لیا ہے اور دوسروں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کبھی کسی قوم پر وہ وقت آجاتا ہے اور کبھی کسی پر۔ میں یہ باتیں کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں کہتا بلکہ خدائے تعالےٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ راجہ رام چندر اور کرشن جی وغیرہ بھی خدا کے راستباز بندے تھے اور اس سے سچا تعلق رکھتے تھے میں اُس شخص سے بیزار ہوں جو ان کی نندیا یا توہین کرتا ہے۔ اس کی مثال کنوئیں کے مینڈک کی سی ہے جو سمندر کی وسعت سے ناواقف ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کے صحیح سوانح معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کئے اور کوشش کی کہ اسی راہ کو پائیں جو خدائے تعالےٰ تک پہنچنے کی حقیقی راہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ راستباز نہ تھے وہ قرآن شریف کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے ان من امة الاخلا فیھا نذیر۔ یعنی کوئی قوم اور امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ پس اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں ان تمام مذاہب کی بنیاد حق اور راستی پر تھی۔ مگر مرور زمانہ سے ان میں طرح طرح کی غلطیاں داخل ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اصل حقیقت اُنہیں غلطیوں کے نیچے چھپ گئی۔ میں باوا نانک صاحب کو بھی خدا پرست سمجھتا ہوں۔ اور

کبھی پسند نہیں کرتا کہ ان کو برا کہا جائے۔ میں ان کو ان لوگوں میں سے سمجھتا ہوں جن کے دلمیں خدا نے تعالےٰ اپنی محبت آپ بٹھا دیتا ہے۔ پس ان لوگوں کی پیروی کرو اور اپنے دلوں کو روشن کرو۔ پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے زبان کھولو۔ اس ملک کی شائستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئیگا جب نری زبان نہ ہوگی بلکہ دل پر دارومدار ہوگا۔ پس اپنے تعلقات خدا ئے تعالےٰ سے زیادہ کرو۔ یہی تعلیم سب نبیوں نے دی ہے اور یہی میری نصیحت ہے۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔

ریویو

یوگی اور اسکا پیغام

اس نام کا ایک رسالہ انگریزی زبان میں لکھا ہوا مصنفہ سوامی دھرما نند مہا رتی صاحب ہمارے پاس ریویو کے لئے پہنچا ہے۔ اس رسالہ میں دو لیکچر درج ہیں جو سوامی صاحب نے یو۔ پی مشن چرچ اجمیر اور آکسفورڈ مشن ہوسٹل ہال کلکتہ میں دیئے تھے ان دونوں لیکچروں میں سے ایک کا عنوان "عیسے مسیح عجیب وغریب یوگی" اور دوسرے کا عنوان "انجیل مقدس پیغام یوگی" ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ سوامی صاحب یوگی سے کیا مراد سمجھتے ہیں۔ ہم انہیں کے اپنے الفاظ سے اقتباس کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "یوگی وہ ہوتا ہے جو جتنی دفعہ چاہے مرے۔ موت اس کے قبضے میں ہوتی ہے" پھر وہ کہتے ہیں کہ یوگ کی قوت سے تمہیں مفصلہ ذیل باتیں حاصل ہوسکتی ہیں "گذشتہ واقعات کا تمہیں علم ہوسکتا ہے۔ موجودہ اور آیندہ کی تمہیں خبر ہوسکتی ہے۔ تمام بدیوں سے تم بچ سکتے ہو۔ دوسرے لوگوں کے خیالات تم پڑھ سکتے ہو۔ پانی میں ڈوبنے کے بغیر رہ سکتے ہو۔ اور آگ میں جلنے کے بغیر ٹھہر سکتے ہو۔ زہر کو تریاق بنا سکتے ہو۔ تم اتنے مضبوط ہوسکتے ہو کہ تم پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ تم اپنا جسم چھوڑ کر دوسرے کے جسم میں داخل ہوسکتے ہو۔ اپنی مرضی سے جب چاہو مر سکتے ہو۔ تم دیوتاؤں کی طرح کھیل کود کر سکتے ہو۔ جو کچھ تم چاہو حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے کاموں کو کوئی بات روک نہیں سکتی۔ جو صورت تم چاہو اختیار کر سکتے ہو۔ ہوا کی طرح تیز چل سکتے ہو۔ تم اپنے کشفی جسم سے ہر جگہ جا سکتے ہو تم دور سے سن سکتے ہو۔ بغیر پانی کے زندہ رہ سکتے ہو۔ تم کو دور دراز کی چیزیں نظر آسکتی ہیں۔ تم عورتوں اور مردوں کے دلوں پر حکمرانی کر سکتے ہو" ان دعاوی کو سنکر ناظرین منتظر ہوں گے کہ انکا ثبوت کیا ہے اور کونسی دلیل ان کی تائید میں دیجا سکتی ہے۔ مگر سوامی صاحب کی کتاب اس سے بالکل خالی

ہے۔ اور یہ سب دعاوی نرے دعاوی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "اس قسم کے یوگی اس وقت تک کوہ ہمالہ اور تبت میں پائے جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے باکمال یوگی موجود ہیں"۔ بقول سوامی صاحب ان کی تعداد ۱۵۰ مرد اور ۳۱ عورتیں ہے۔ لیکن ان کے نام اور پتے سوامی صاحب کسی مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتے۔ شاید اس لئے کہ حقیقت معلوم نہ ہوجائے۔ سوامی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسے یوگی کو جانتے ہیں جس کی عمر ۲۶۵ سال کی ہے۔ اور ایک یوگن انہوں نے دیکھی ہے جس کی عمر ۵۰۰ برس بیان کرتے ہیں۔ یہ کہانیاں بچوں کے خوش کرنے کے لئے تو خوب ہیں۔ لیکن ان فضول دعاوی کو ایک ایسے ہی دعوے کے ثبوت میں پیش کرنا۔ یہ سوامی صاحب کا ہی کام تھا۔ ان باتوں سے اُن کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یوگیوں میں ایسی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ اسلئے یسوع مسیح بھی ایک یوگی تھا کیونکہ اُس کی نسبت بھی اسی قسم کی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن تعجب ہے پھر تو وہ انسان ثابت ہُوا۔ خدا یا ابن خدا جو سوامی صاحب اُسے بنانا چاہتے ہیں کیونکر ہُوا۔ یا اُنہیں یہ کہنا پڑیگا کہ ہر ایک یوگی خدا یا خدا کا بیٹا ہوتا ہے +

الغرض یسوع مسیح بھی انکے نزدیک اسی قسم کا یوگی تھا جسکی سوامی صاحب نہایت مبالغہ آمیز تعریف اور مدح کرتے ہیں اور جسکی فضول ثنا خوانی کرتے ہیں۔ اس یوگی پر وہ ایسے فریفتہ ہیں۔ کہ اُس کی تعریف کرتے وقت اُنہوں نے واقعات کو نظرانداز کر کے اپنے ولولوں اور جوشوں کو زبردست الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ہم مسیح کو بنظر تعظیم دیکھتے ہیں اور اُن کو خدا کا سچا نبی جانتے ہیں لیکن ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے اور نہ ہی کوئی عیسائی اس سے کبھی انکار کرسکتا ہے۔ کہ دوسرے نبیوں کی طرح یسوع مسیح کو بھی اُسکے زمانہ کے لوگوں نے گالیاں دیں اور ذلیل کیا اور حقارت سے دیکھا۔ اور بہت تھوڑے لوگ تھے جنھوں نے اُسے ابتداے دعوے میں سچا مسیح شناخت کیا۔ مگر اس کے متعلق مصنف کتاب زیر ریویو فرماتے ہیں کہ "ایشیا کے سخت مزاج لوگ سب کے سب روحانی غفلت سے بیدار ہوگئے۔ اور پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ عرب اور سکندریہ اور ترکستان اور تاتار اور شام اور یونان اور ایران نے بےچین ہوکر سوال کیا کہ یہ عجیب نوجوان کون ہے؟ یونانیوں اور رومیوں نے اپنی عالمانہ تحقیقاتیں اسی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے جمع کیں کہ یہ بینظیر انسان کون ہوسکتا ہے۔ بادشاہ اور زمیندار حیرت زدہ ہوکر ٹھٹھر گئے۔ بہادران نبرد آزما اُس کی باتوں کے آگے سرنگوں ہوگئے۔ فلاسفر اور سائنس دان تحیر میں پڑ گئے۔ دیو اور شیاطین اُسکے حکم کے آگے کانپتے تھے۔ بڑے طغیانی کرنے والے سمندر اور سخت تیز چلنے والی ہوائیں اُسکے حکم کی پوری تعمیل کرتی تھیں۔ مردے قبروں میں سے نئی زندگی لیکر اُٹھے۔ قانون دان اور منطقی لوگ اُس کے وعظوں پر فدا ہوگئے۔ اسکی آسمانی فصاحت کے سامنے پنڈتوں اور حکماء کی شہرت مٹ گئی۔ ربّیوں اور ربّانیوں نے اپنی قیمتی کتابیں پرے پھینکدیں۔ مجوسیوں اور جادوگروں نے پیشگوئیاں کرنی چھوڑ دیں۔ اور ربیوں اور سردار کاہنوں نے شرم کے مارے اسکے سامنے چہرونکو چھپالیا"۔ لیکن واقعات کیا ہیں؟ جب یسوع نے اپنا دعوےٰ مسیحیت کیا تو ساری یہودی قوم نے اُسکی سخت مخالفت کی جھوٹا اور فریبی کہا مفتری اور

کذاب قرار دیا گالیاں دیں۔ اور ہر طرح سے اُس کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔
صرف چند ماہی گیر اور چھوٹی ذات کے مرد اور کچھ عورتیں تھیں جو اُسکے ساتھی ہوئے۔ بنی اسرائیل نے اُسے اپنا نجات دہندہ نہ مانا۔ یونانیوں اور رومیوں نے اُسکے صادق یا کاذب ہونیکے سوال کو ایک لمحے کے لئے بھی ضروری نہیں سمجھا اور نہ اُسے کچھ وقعت ہی دی۔ اور آخر کار اُسے مفسدہ پرداز خیال کر کے اور یہودیوں کو حکومت کے مقابلہ میں سرکشی کی ترغیب دینے کے جرم میں رومی گورنمنٹ نے اُسکو گرفتار کر لیا۔ سرزمین شام سے باہر اُسے کوئی نہ جانتا تھا۔ اور عرب اور ترکستان اور تاتار اور یونان اور ایران اور روم وغیرہ اُسکی ہستی سے بھی بالکل بیخبر تھے ربی اور سردار کاہن اُسے مفتری اور کذاب سمجھتے تھے۔ اور اسکو اور اُسکی والدہ کو (ان دونوں پر سلام ہو) سخت عیوب سے متہم کرتے تھے رومی سپاہیوں نے اسے گرفتار کیا۔ حراست میں رکھا۔ مقدمہ چلایا۔ مجرم اُسکے ذمہ ثابت پایا۔ اور صلیب پر سزا دینے کیلئے چڑھا دیا سوامی صاحب کے بہادران نبرد آزما جو اُسکی باتوں کے آگے سرنگوں ہوگئے صرف وہ نہایت کمزور دل حواری ثابت ہوئے جنہوں نے آخری وقت میں اُس سے بیوفائی کر کے اُس کا ساتھ ترک دیا۔ ابتداء میں تو اُس کا استقبال اسی الٰہی قانون کے مطابق ہوا جو قرآن کریم میں درج ہے۔ یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون۔ یعنے لوگوں پر افسوس ہے! کوئی رسول اُن پاس نہ آیا جس سے اُنہوں نے ٹھٹھا نہ اُڑایا"۔

معلوم ہوتا ہے کہ سوامی صاحب اسبات کی احتیاط نہیں کرتے کہ جو بات وہ منہ سے بیان کر رہے ہیں کیا تک صداقت رکھتی ہے۔ مثلاً سوامی صاحب اپنے لیکچر میں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یسوع مسیح کو تمام نبیوں سے افضل اور تمام انبیاء کا سردار بیان کیا ہے۔ اور قرآن کریم نبیوں کا شاہزادہ اُس کا نام رکھتا ہے۔ اور اسکو تمام کاہنوں سے مقدس اور بلند رتبہ لکھتا ہے۔ یہ بڑی سخت غلط بیانی ہے۔ اسی سے دوسری کتابوں وید وغیرہ کے حوالجات کی صحت یا عدم صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ سوامی صاحب اسلام سے بالکل ناواقف ہیں۔ ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن تمہیں یہ نہیں بتاتا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ حالانکہ قرآن صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ وما صلبوہ یعنے وہ (یہودی) بذریعہ صلیب کے بھی اُسے مار ڈالنے پر قادر نہ ہو سکے"۔ اسکے دلائل صاف ہیں۔ قرآن کریم مسیح کو خدا کا سچا نبی بیان کرتا ہے۔ اور بقول حضرت مسیح علیہ السلام اگر وہ صلیب پر مر گئے تو پھر سچے نبی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ پرانے عہد نامہ میں لکھا ہے کہ جو شخص کاٹھ یعنے صلیب پر مر جاتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے مردود ہو جاتا ہے۔ اور وہ خدا سے بیزار اور خدا اُس سے بیزار ہوتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ مسیح کو یہودیوں نے صلیب پر کھینچا لیکن وہ وہاں مرا نہیں۔ کیونکہ کلام خدا میں لکھا ہے ولٰکن شبہ لھم وہ (یہود) شک میں پڑ گئے"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے اُسکو مردہ خیال کر لیا۔ حالانکہ وہ درحقیقت مردہ نہ تھا۔ مجھے یہ بات دیکھ کر سخت رنج ہوا ہے کہ سوامی دھرمانند مہابھارتی جیسے مشہور و معروف انسان اسلام جیسے عظیم الشان مذہب سے ایسے ناواقف ہوں جو ہندوستان کے پانچویں حصہ سے زیادہ کا مذہب ہے +

بعض امور اس رسالہ میں ایسے ہیں جو واقعی قابل تعریف بھی ہیں۔ اول یہ کہ مسیح کے ہندوستان میں آنے کی تائید کی گئی ہے۔ دوسرے مسیحی مذہب کے ماننے والوں پر اس مذہب کے جو اثر ہوئے ہیں ان کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ذیل کی عبارت خاص توجہ کے لایق ہے "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کے اچھے دن اب گذر چکے ہیں۔ آجکل اس مذہب میں یار یہ۔ چنڈال چمار چوہڑے گوالے۔ اور اسی قسم کے نیچ اور خبیث لوگ داخل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ملک کے لئے وبال جان ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ اختلاط سے اعلے سوسایٹی کی ذلت ہوتی ہے۔ یہ بیہودہ نالایق شرابی بدمعاش بھوکے مرتے شریر لوگ اب ہندوستانی نوعیسائی لوگوں میں لاکھوں میں شمار ہوسکتے ہیں۔ اور اعلے قوموں کے لوگ ابھی تک عیسائیت کے اثر سے بالکل بچے ہوئے ہیں۔ ان نیچ ذاتوں کے بہت سے لوگوں کو بجائے اچھی حالت میں کرنے کے عیسائیت نے اور بھی پست حال کر دیا ہے۔ کثرت سے ایسے لوگوں کی حالت بالکل خراب ہوگئی ہے اور ان کے اخلاق گرگئے ہیں اور پہلے کی نسبت وہ بدچلنی میں اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ دیسی عیسائیوں میں سے ۹۵ فیصدی ایسے ہیں جن کے اخلاق بہت پستی میں گرے ہوئے ہیں۔ ذہنی قوائے کے لحاظ سے ہندوؤں سے دس ہزار درجہ کم ہیں۔ اور روحانی حالت انکی ایسی ہے کہ گویا وہ ہندوستانی عیسائیت کی کتاب حساب میں اس قدر صفر ہیں"

نوعیسائیوں کی یہ تصویر عیسائی مذہب کے ایک دشمن نے نہیں بلکہ ایک نہایت دلدادہ عاشق نے کھینچی ہے۔ اور یہ ایسی سچی باتیں ہیں کہ ان کی صداقت بہت دفعہ خود عیسائی صاحبان نے تسلیم کی ہے۔ اگر یہ مسئلہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو عیسائی مذہب سے اسکے حامیوں کو ہاتھ دھوبیٹھنا چاہئے۔ جسطرح ہندوستان میں عیسویت نے لوگوں کو قعر ذلت میں ڈالدیا ہے اسی طرح افریقہ میں بھی اس نے لوگوں کے اخلاق پر برا اثر ڈالا اور ان کو اور بھی نیچے گرا دیا ہے۔ برعکس اسکے اگر اسلام کے پاک اثر کو جو افریقہ کے نومسلموں کی حالت سے ثابت ہوتا ہے اور جسے خود عیسائی صاحبان نے تسلیم کیا ہے دیکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور ان تمام باتوں سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عیسائی مذہب کے دن اب پورے ہوچکے ہیں۔

یسوع مسیح اور اسکے مذہب اور بائیبل کی کوئی کتنی ہی تعریف کیوں نہ کرے اگر عیسائی مذہب کا اثر وہی ہے جس کو سوامی صاحب تسلیم کرتے ہیں تو یہ ساری تعریف عبث ہے کیونکہ واقعات اسکو جھوٹا ٹھیرا رہے ہیں یہ رسالہ ۶۴ صفحوں پر چھوٹی تقطیع پر چھپا ہے اور گو سوامی جسجے بھارتی صاحب نے کلکتہ سے شایع کیا ہے۔

اعجاز القرآن

ان تمام کتابوں میں سے جو دنیا کے کسی مذہب کے نزدیک آسمانی اور الہامی مانی گئی ہیں صرف قرآن کریم کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ جن امور پر ایمان لانیکے لئے وہ بُلاتا ہے اُنکے لئے نہایت صاف اور سادہ طریق سے جسمیں شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے ثبوت پیش کرتا ہے اس دعوے کی صداقت ابتدائے اسلام سے لیکر آجتک ہر ایک زمانہ میں ظاہر ہوتی رہی ہے اور مشاہدہ کی جاتی رہی ہے اور خود آج اس زمانہ میں بھی نہایت اجلی اور بدیہی طور پر یہ صداقت ظاہر ہو رہی ہے۔ عام طور پر کوئی شخص خواہ معجزات کا انکار کرتا ہو یا اقرار اُسے ماننا پڑے گا کہ علم غیب انسان کا خاصہ نہیں ہے اور کوئی پیشگوئی جو آیندہ کے ایسے گہرے رازوں کو بتانیوالی ہو جن تک اعلےٰ سے اعلےٰ انسانی فراست کے لئے پہونچنا بھی محال ہے اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ وہ انسان سے کسی اعلےٰ طاقت کی طرف سے ہے اور ایسی ہستی کیطرف سے ہے جس کا علم تمام ذرات عالم پر محیط ہے اور جس کی قدرت اور طاقت سے کوئی چیز باہر نہیں سچ تو یہ ہے کہ جو پیشگوئی صفائی سے ثابت ہو جاوے اس سے بڑھکر اللہ تعالےٰ کی ہستی پر اور کوئی قطعی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اب تمام معجزات میں سے قرآن کریم نے پیشگوئی کو خاص طور پر امتیاز دیا ہے اور شروع سے اخیر تک اس کتاب مقدس میں عجیب اور عظیم الشان پیشگوئیاں بھری پڑی ہیں جن کا اظہار ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے سب سے پہلے لفظ جو بذریعہ وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوئے وہ خود اپنے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی آپ کی آیندہ کامیابیوں کی رکھتے ہیں اور قرآن کریم ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے جن میں قبل از وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آنیوالی ہیں کن کن مخالفتوں کا آپ کو مقابلہ کرنے پڑے گا۔ آپ کے دشمن آپ کو ہلاک کرنے کے لئے کیا کیا منصوبے بنائیں گے اور اسلام کو دنیا سے اکھاڑنے کے لئے کیا کیا کوششیں کرینگے کیا کیا اذیتیں اور تکلیفیں پہونچائیں گے۔ کیونکر مکہ سے آپ کو نکلنا پڑے گا اور پھر کیونکر آخر کار آپ غالب آویں گے۔ دشمنوں کے تمام منصوبے کیونکر خاک میں ملا دیئے جاویں گے کسطرح پر آخر کار ان کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ اور کیونکر آپ مکہ میں کامیابی اور فتح کے ساتھ واپس آویں گے۔ کیونکر قومیں اسلام کے آگے سرنگوں ہو جاویں گی۔ اور گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہو جاویں گے۔ کیونکر سلطنت اسلام قایم ہوگی اور آپکے خلیفے ہی امت سے ہونگے۔ پھر کسی زمانہ میں عیسائیت کا کیونکر غلبہ ہوگا اور مسیح موعود کا آنا اور اس کے نشان کیا ہونگے اور پھر بالآخر دین اسلام کس طرح دنیا میں پھیل جاوے گا۔ اور تمام دینوں پر غالب آجاوے گا۔ اس طرح پر اسلام کی پیدایش سے لیکر انجام دنیا تک۔ قرآن کریم نے ان تمام اہم امور کو بطور پیشین گوئی بیان کر دیا ہے جو اسلام میں واقع ہونے والے تھے۔ یہ مضمون اسقدر

وسیع ہے کہ اس پر جلدوں کی جلدیں کتابوں کی لکھی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ موقعہ اس بحث کے لئے موزون نہیں ہم صرف ایک دو مثالیں اس کی پیش کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم کی ابتدائے نازل شدہ سورتوں میں سے ایک سورت میں جو مکہ میں نازل ہوئی عین اُس وقت جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف مخالفت کا جھنڈا بلند ہو گیا تھا جب آپ کے معدودے چند پیرو قریش کی طرف سے سخت اذیتوں اور تکلیفوں کے نشانے ہو رہے تھے۔ گھروں سے نکالے گئے تھے۔ اور بعض بیرحمی سے قتل کئے جاتے تھے۔ جب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالنے کے لئے منصوبے باندھے جاتے تھے۔ غرضیکہ اس وقت جبکہ تمام عرب دین اسلام کو جڑھ سے اکھاڑ ڈالنے پر آمادہ ہوا ہوا تھا اور بظاہر کوئی امید نہ تھی کہ ان کے حملوں سے دین اسلام جانبر ہو سکے۔ عین اس بیکسی اور نا امیدی کے وقت میں اللہ تعالے نے اپنے پیغمبر پر یہ کلام نازل فرمایا ام یقولون نحن جمیع منتصر۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ یعنی اے نبی کیا یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم بڑی بڑی جماعتیں اور بڑی طاقت والے ہیں۔ عنقریب ان کی تمام جماعتیں شکست کھائیں گی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگیں گی۔ ہاں اس کے لئے ہم نے ایک گھڑی مقرر کی ہوئی ہے اور وہ گھڑی ان کے لئے بڑی سخت اور تلخ ہوگی۔ (سورہ قمر) اب ایک نکتہ چین کو اختیار ہے کہ سخت سے سخت مخالفت کا پہلو جو وہ اختیار کر سکتا ہے اختیار کرے لیکن اس پیش گوئی کی قطعیت میں شک ڈالنے کے لئے وہ کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ الفاظ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے لفظ ہو سکتے تھے جن کو بہ تقاضائے بشریت کوئی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ اس قدر بیشمار دشمنوں کے پنجے سے بچ جاوینگے؟ کیا ایک انسان کی جس کے ساتھ چالیس یا پچاس آدمی ہوں یہ طاقت ہے کہ وہ بہادر جنگجوؤں کی ایک قوم کی قوم کو چیلنج کرے کہ میں تم سب پر غالب آؤں گا کیا کوئی شخص کوئی ایک بھی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بطور فراست معلوم کر سکتے تھے کہ وہ آخر کار کامیاب اور ان کے دشمن پامال ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کے علاوہ خود ان الفاظ کی قطعیت کو دیکھو۔ ان کا بولنے والا ان کی صحت کا قطعی اور یقینی علم ظاہر کرتا ہے وہ یہ نہیں کہتا۔ جس طرح ایک انسان فراست سے کہہ سکتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ میں غالب آجاؤں گا یا اغلب ہے کہ دشمن مغلوب ہو جاویں بلکہ وہ کہتا ہے کہ یہ بات ہونیوالی ہے اور یقینی اور قطعی ہے اور کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا۔ جو قوت اور جو یقین ان الفاظ میں پایا جاتا ہے اور جو طاقت ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہر ایک عقلمند انسان کو ماننا پڑے گا کہ وہ انسانی علم اور انسانی طاقت سے بہت بالاتر ہے یہ صاف طور پر ایک ایسی ہستی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ جس کو نہ صرف آیندہ کے تمام واقعات کی

تفصیلی اور یقینی خبر ہے بلکہ جسکے ہاتھ میں وہ فوق الفوق طاقت بھی ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ تمام انسانی کوششوں کو خاک میں ملا سکتا ہے اور جو کچھ کہا ہے اس کو پورا کر کے دکھا سکتا ہے۔

اس جگہ ہم نے صرف ایک ہی موقعہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو انجام کار کامیابی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ لیکن اس قسم کی آیات مکی سورتوں میں بکثرت موجود ہیں اور ایسے وقت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب سخت مخالفت آنحضرت کی ہو رہی تھی۔ کئی سال تک مخالفت کا جوش اور بھی بڑھتا گیا اور بظاہر واقعات سے ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ معدودے چند مسلمان سخت اذیتیں کفار کے ہاتھ سے اٹھا رہے تھے اور دو دفعہ گھروں اور جائیدادوں کو چھوڑ کر انہوں نے غیر ملک میں پناہ لی۔ آخر کار آنحضرت اور صرف ایک صحابی مکہ میں رہ گئے اور ادھر دشمنان دین نے آپ کی ہلاکت کے لئے منصوبے کئے ہوئے تھے۔ ایسی نازک حالت میں دشمن ان وعدوں پر کس قدر ہنستے ہونگے مگر اللہ تعالے کے وعدے پورے ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ ایک سال بعد بدر کا مقام فریقین کے جنگ کا میدان بنا جس میں مسلمانوں کی طرف سے تین سو کے قریب آدمی تھے۔ اکثر نوعمر اور ناتجربہ کار تھے اور سامان جنگ بھی کوئی نہ تھا۔ اور قریش کی طرف ایک ہزار سے زیادہ مضبوط تجربہ کار نبرد آزما جوان تھے۔ جو ہر طرح پر مسلح تھے۔ یہی وہ مقررہ میدان تھا جہاں مسلمانوں کو غلبہ کا وعدہ دیا گیا تھا۔ اور باوجودیکہ اسلام کی طاقت کفر کے بالمقابل کچھ بھی نہ تھی لیکن جس یقینی فتح کا وعدہ دیا گیا تھا وہ وعدہ پورا ہوا۔ کفار کے بڑے بڑے آدمی میدان جنگ میں مارے گئے اور کچھ قید ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ اس طرح پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو سالہا سال پہلے ایسے وقت میں کی گئی تھی کہ جب اسلام سخت مغلوبی کی حالت میں تھا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نہیں دکھا سکتا کہ ایسی پرشوکت پیشگوئی ایسے صاف طور پر پوری ہوئی ہو جو اپنے ساتھ ایسا قطعی اور یقینی ثبوت رکھتی ہو۔

یہاں ہم نے صرف ایک پیشگوئی کا ذکر کیا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے متعلق ہے درحقیقت آپ کی زندگی کے ہر ایک واقعہ کا قرآن کریم نے پیشگوئیوں میں نقشہ کھینچا ہے۔ مثلاً آپ کی ہجرت کا واقعہ دیکھو کہ کس طرح قرآن شریف نے اسے قبل از وقت بیان کیا اور پھر آپ کا مکہ میں واپس آنا بھی بتایا۔ چنانچہ سورہ قصص میں جو مکہ میں ہی نازل ہوئی فرمایا۔ ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد۔ یقیناً یقیناً وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن اتارا ہے اور اس کے احکام کو تجھ پر فرض کیا ہے وہی طاقتور ہستی تجھے تیرے اس گھر میں واپس

پہونچائے گی جس سے تو نکالا جاوے گا۔ لفظ رد کا صاف دلالت کرتا ہے کہ پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس گھر سے نکالے جاویں گے اور پھر اللہ تعالے ان کو واپس لاوے گا۔ کیونکہ رد کے معنے ہیں لوٹ کر آنے یا واپس آنے کے۔ پس اس ایک ہی آیت میں جو مکہ میں نازل ہوئی یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ آپ کو ہجرت کرنی پڑے گی اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ کہ پھر اللہ تعالے آپ کو کامیاب کر کے واپس لاوے گا۔ وہ لوگ جنہوں نے اس پیغمبر عربی کو ایسی بیکسی اور غربت کی حالت میں مکہ سے بھاگتے دیکھا تھا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ یہی شخص آخر کار ان پر غالب ہو کر اسی شہر میں جاہ و جلال کے ساتھ واپس آوے گا۔ لیکن خدا ے تعالے کا یہ وعدہ تھا اور اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ کفار مکہ بھی ان تمام پیشگوئیوں سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن وہ ان باتوں کو ہنسی میں اڑاتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک تو یہ بالکل ناممکن امر تھا۔ جس طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ اسی طرح دوسری طرف کفار کو واقعات کے رو سے ان وعدوں کے پورا نہ ہونے کا یقین کامل تھا۔ لیکن جب آخر کار انہیں لوگوں نے ان تمام وعدوں کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھا اور ان امور کو حسب وعدہ الٰہی واقع ہوتے دیکھا۔ جو ان کے نزدیک ناممکن تھے تو انہوں نے صریح طور پر خدائی ہاتھ کو آنحضرت کی تائید میں دیکھ لیا اور جب آپ مکہ میں حسب وعدہ الٰہی بحیثیت ایک کامیاب حکمران کے داخل ہوئے تو مکہ والوں کی گردنیں اس خدا ے ذوالجلال کے آگے جھک گئیں۔ جس کی ہستی کو وہ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے صاف صاف دیکھ چکے تھے اور جس کی طاقت کو وہ محسوس کر چکے تھے۔ اور انہوں نے انشراح صدر سے آپ کی رسالت کو قبول کیا اور اللہ تعالے پر ایمان لائے۔

اسی طرح پر قرآن کریم میں ایسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے متعلق ہیں۔ لیکن یہ ان کی بحث کا وقت نہیں۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر آنحضرت کی وفات کے بعد اسلام پر ایک ایسا خطرہ کا وقت آوے گا۔ کہ جس سے اس کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہوگا اور کیونکر خدا اس خوف کو امن سے بدل دے گا اور دین اسلام کو مضبوطی سے قایم کر دے گا۔ اور مومنوں کی جماعت میں سے خلیفے بنائے گا۔ جو زمین کے مالک ہوں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو تختوں کو وعدے دیئے اُسی طرح انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح نے بھی اپنے حواریوں کو بار بار تختوں کے وعدے دیئے تھے۔ مگر ہمارے نبی

کے وعدے تو صحابہ نے اپنی زندگی میں پورے ہوتے دیکھ لیے۔ لیکن حواریوں کے تختوں والے
وعدے آجتک پورے نہیں ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان تمام وعدوں کو جو اللہ تعالےٰ نے
ان کے ساتھ کیئے تھے۔ اپنی زندگی میں پورے ہوتے دیکھ لیا۔ اور اس طرح پر ان کا ایمان اللہ
تعالےٰ پر یقین کے اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ تک پہنچ گیا۔ جو وعدے ان کے ساتھ اس دنیا کے متعلق
کئے گئے تھے ان کو پورے ہوتے دیکھ کر انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالےٰ کی آخرت کے وعدے
بھی اسی طرح پر سچے ہیں۔ اس طرح پر ان کا ایمان خدا پر مضبوط ہوا اور ہر ایک شک اور نقص
سے پاک رہا اور درحقیقت مضبوطی ایمان کے لئے یہی ایک راہ ہے قرآن کی ان پیشگوئیوں کے
متعلق جو بعد کے زمانہ کے لئے ہیں ہم بالفعل صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ ناظرین کو حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے لاہور کے لیکچر کے دوسرے حصہ کی طرف توجہ دلاویں۔ جو ستمبر کے مہینہ
میں چھپ چکا ہے۔

ان چند سطروں کا لکھنا کتاب اعجاز القرآن کے ریویو کے لئے ضروری تھا یہ رسالہ مولوی
ابوالحسن صاحب صدیقی رجسٹرار ہائی کورٹ حیدر آباد دکن کی تصنیف ہے اور حال ہی میں اردو
سے انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس رسالے کے بڑے حصے میں قرانی پیشگوئیوں کا ہی ذکر ہے اور یہ
مضمون اس کے دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں آرٹیکل میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مصنف
نے بعض الفاظ قرآن کریم کو حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ
عنہم اور شاہان امیہ اور عباسی بادشاہوں پر چسپاں کرنے میں بڑی ذہانت دکھائی ہے لیکن ہم انکے
ساتھ ان اٹکل بازیوں میں اتفاق نہیں کرتے وہ بہت کھینچ تان کر الفاظ کو کچھ کے کچھ معنے دیتے
ہیں اور اگر ان کے طرز کو صحیح مانا جاوے تو پھر ہر لفظ سے جو چاہے کوئی مراد لے سکتا ہے۔
ان کی طرز کے سمجھنے کے لئے ایک مثال کافی ہوگی۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں ان کے
نزدیک ھدی للمتقین سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ الذین یومنون بالغیب سے
خلافت حضرت ابوبکر۔ ویقیمون الصلوٰۃ سے حضرت عمر۔ ومما رزقنٰھم ینفقون سے مراد حضرت
عثمان۔ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک سے خلافت حضرت علی۔ وبالآخرۃ
ھم یوقنون سے حضرت امام حسن۔ ایسا ہی سورۃ شوریٰ کے الفاظ۔ انما السبیل علے الذین
یظلمون الناس۔ ویبغون فی الارض بغیر الحق سے مراد حضرت معاویہ۔ اور ان الخسرین الذین
خسروا انفسھم واھلیھم یوم القیامۃ سے مراد بنی مروان کے خلفا اور اس سے آگے کی آیتوں سے
مراد بنی عباس کے خلفا لیتے ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ایک کھیل ہے۔ یہ طریق عیسائیوں نے بھی

یسوع کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہوا ہے اور شیعہ بھی حضرت علی کی خلافت بلا فصل کے لئے ایسی ہی دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پیش گوئی کے بیان کرنے سے کوئی غرض بھی ہوتی ہے۔ پیشگوئیاں اللہ تعالےٰ اس لئے بیان فرماتا ہے کہ انہیں پورا ہوتا دیکھ کر لوگوں کے ایمان میں ترقی ہو۔ لیکن اس قسم کی پیشگوئیاں جو مصنف کتاب پیش کرتے ہیں ایسا فایدہ نہیں دے سکتیں کیونکہ ان کے پورا ہونے کو ان لوگوں نے تو سمجھا نہیں جنکی آنکھوں کے سامنے وہ پورے ہوئیں اور اب ایک ہزار یا تیرہ سو سال بعد ایک شخص کی سمجھ میں یہ بات آئی جو اسقدر سے بھی بالکل بے خبر ہے۔ جو آیت ظالموں کے سزا کے لئے ہے اُسے معاویہ پر لگا دیا۔ کیونکہ آپ معاویہ کو اچھا نہیں سمجھتے لیکن کیا ان کو یقین ہے کہ حضرت معاویہ اس آیت کے واقعی مصداق تھے۔ ایک خدا ترس مسلمان اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر کیا انکو یقین ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے تمام خلفاء سب کے سب دوزخی تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک اس قسم کے خیالات سے مسلمانوں میں سچا علم نہیں پھیل سکتا۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیشگوئیاں ہمیشہ اسی قسم کے اشاروں میں ہوتی ہیں جیسے انہوں نے بیان کئے ہیں۔ ان کی تردید کے لئے وہ پیشگوئیاں کافی ہیں جو ہم نے ابتداء مضمون میں بیان کی ہیں یہ وقت ہے کہ مسلمان سمجھیں کہ ان کا فرض قرآن کریم نے متعلق کیا ہے اور افراط و تفریط کے پہلوؤں کو چھوڑیں ؞

باتین (جو مشیت ایزدی سے نکلی ہین اور ضرور پوری ہوکر رہین گی) پوری ہون - اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ مین حسنات و ثواب دارین کے مستحق بنین - اللہ کرے ایسا ہی ہو - آمین ثم آمین -

منیجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

جمیع برادران احمدی کو توجہ دلائی جاتی ہے اور یاددہانی کرائی جاتی ہے کہ ماہواری چندہ مدرسہ جو حضرت نے سب احمدی برادران پر فرض کیا ہوا ہے اپنے اپنے شہر سے جمع کرکے ماہوار ارسال فرمایا کرین اور عطیہ یکمشت کے طور پر بھی کچھ ارسال فرماوین کیونکہ مدرسہ کی مالی حالت نازک ہو رہی ہے - اور یہ روپیہ کسی خاص شخص یا حضرت صاحب کے نام نہین آنا چاہیئے بلکہ علیحدہ منی آرڈر بنام مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان ... ارسال کرنا چاہیئے - والسلام -

محمد صادق عفی اللہ عنہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم الاسلام

"اعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا سال روان کا زر چندہ قابل وصولی ہو وہ جملہ رقوم حسب الوصول جلد تر بنام منیجر صاحب میگزین بھیجکر بیباقی حساب فرماوین - ترسیل مطالبہ کیلئے جملہ باقیداران کے نام خاص طور پر کارڈ یاددہانی بھیجے جاچکے ہین - عدم التفاتی یا عدم جواب کیصورت مین اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا -

(۲) ہر قسم کی خط وکتابت و ترسیل جملہ رقوم متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام منیجر صاحب میگزین ہونا چاہیئے نہ کسی خاص شخص یا حضرت اقدس ع یا کسی دیگر مالک مطبع کے نام - کیونکہ اس طرح کرنے سے علاوہ طوالت وحرج کام کے حساب کے مغالطہ کا اندیشہ ہے - اور حضرت اقدس ع کو بھی اسمین تکلیف ہوتی ہے -

(۳) ترسیل روپیہ یا خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کیصورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی

(۴) تاریخ اجرائے یعنے ابتدائے جنوری سنہ ۱۹۰۲ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء جملہ پرچہ جات میگزین اردو و انگریزی (باستثنائے انگریزی میگزین نمبر ا سال سنہ ۱۹۰۲ء کے) اسوقت دفتر ہذا مین فروخت کیلئے موجود ہین خواستگاران جلدی درخواستین بھیجین - بصورت توقف تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا - والسلام - **منیجر میگزین**

اطلاع - بے نظیر لیکچر حضرت اقدس ع جو ۳ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو بمقام لاہور ایک عظیم الشان جلسہ مین پڑھا گیا تھا پرچہ میگزین ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء مین مکمل شائع ہو چکا ہے پرچہ منیجر صاحب میگزین قادیان سے درخواست کرنے پر ملسکتا ہے -

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

اعلان

ضروری استدعا

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکے باعث نہین کسی اور شہر سے ادویات منگوانی پڑین تو بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے وہ ادویات فرانٹیر میڈیکل ہوس پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوائین یہ دکان میرے متعلق ہے نہین نقصان نہین اور دکان کا فائدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے المشتہر خوجہ کمال الدین

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم فضل الدین صاحب طبع ہوا +